سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبیؐ عام طور سے مشہور ہے مسلمانون کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت واہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لے کر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیلِ دین، تاسیس حکومتِ الٰہی، وفات، اخلاق وعادات، اعمال و عبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپ کے معجزات وخصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید وتفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآنِ پاک اور احادیثِ صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل وتشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہے، اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق فضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اس کی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے،

قیمت بڑی تقطیع		حجم	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	قیمت چھوٹی تقطیع		حجم	قسم اول	قسم دوم
سیرۃ النبیؐ-	حصہ اول	×	×		سیرۃ النبی	حصہ اول	۵۶۱	×	للعہ
″	دوم	۳۵۱	ے	للعہ	″ ″	دوم	۴۳۸	صہ	۸/ے
″	سوم	۵۹۶	للعہ	۸/عا	″ ″	سوم	۷۹۴	سعہ	صہ
″	چہارم	۹۸۶	ے	للعہ	″ ″	چہارم	۸۸۸	۸/معہ	۸/صہ
″	پنجم	۳۶۸	للعہ	۸/عا	″ ″	پنجم	۴۹۳	صہ	۸/ے
″	ششم	۶۱۲	صہ	للعہ	″ ″	ششم	۸۷۲	۸/معہ	۸/صہ

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈہ

کی

۵۰ ویں جلد

از جولائی ۱۹۴۲ء تا دسمبر ۱۹۴۲ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۵۰

جولائی سنہ ۱۹۴۲ء تا دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء

(بہ ترتیب حروفِ تہجی)

فہرست مضامین

جلد ۵۰

جولائی سنہ ۱۹۴۲ء تا دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

"جلد ۵۰" ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۲ء "عدد ۱"

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

مولٰنا حیدر حسن صاحب محدث ٹونکی کی وفات

مولٰنا حیدر حسن خاں صاحب محدث ٹونکی جو تقریباً دس پندرہ برس تک دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث رہ کر دو سال ہوئے کہ ریاست کی خواہش پر اپنے وطن چلے گئے تھے، افسوس ہے کہ چند روز ہوئے کہ اپنے وطن ہی میں وفات پائی، محدث مرحوم اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمود حسن خاں صاحب مصنف معجم المصنفین اس وقت کے علماء میں ایسے دو نامور فرد تھے کہ جن کے وجود پر علم و فضل اور ورع و تقویٰ کو ناز تھا، الحمد للہ کہ ابھی مولانا محمود حسن خاں صاحب ہم میں موجود ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان کے چھوٹے بھائی مولانا حیدر حسن خاں صاحب نے اس عالم فانی کو الوداع کہا، ایسے زمانہ میں جب نام کے مولویوں کی تعداد گو کثرت حاصل کر رہی ہے، مگر کام کے علماء روز بروز کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں، مرحوم کی وفات مشرقی علم و فضل کی کائنات میں حادثۂ عظیم سمجھی جائے گی،

مرحوم بڑے جامع العلوم تھے، علوم عقلیہ و نقلیہ و ریاضیہ کے وہ یکساں ماہر تھے، زیادہ تر اپنے بڑے بھائی مولانا محمود حسن خاں صاحب سے پڑھا تھا، حدیث کی سند شیخ حسین صاحب عرب یمنی خزرجی سے حاصل کی تھی، استفادۂ باطنی میں بھی ان کا مرتبہ بلند تھا، انھوں نے مکہ معظمہ جا کر حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا تھا، اور ماشاء اللہ زہد و عبادت بے تکلفی اور تواضع میں بزرگوں کا نمونہ تھے، علوم عقلیہ و ریاضیہ میں بھی ان کا درجہ بلند تھا، اور علوم نقلیہ میں وہ ماہر کامل تھے، علم حدیث کو بطرز حنفیہ بہت خوبی سے پڑھاتے تھے، رجال پر ان کی نظر وسیع تھی، ان کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ حدیث پڑھاتے وقت احادیث کی ساری کتابیں

اور اسماء الرجال اور اصول کی کوئی مستند کتاب ارد گرد رکھ لیتے تھے، ہر نزاعی مسئلہ پر وہ داد تحقیق دیتے وقت اپنے شاگردوں کو ہر حوالہ کی حدیث کو نکال کر دکھاتے، اور رجال پر بحث کرتے وقت راوی کی حالت زبانی بیان کر کے مزید تشفی کیلئے انکو کتاب کھولکر اس راوی پر جرح و توثیق کے اقوال بھی دکھا دیتے، اور اصول سے اپنے مدعا کو ثابت کرتے تھے،

ان سے اکثر مسائل میں گفتگو آتی رہتی تھی، مگر وہ ہمیشہ حاضر العلم نظر آئے، اور جب کبھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی، صاف اقرار کر لیتے تھے، اور دوسرے وقت وہ اس کو دوبارہ سمجھ کر بحث میں لاتے تھے، اس علم و فضل پر بیحد منکسر، بیحد خاکسار، بیحد متواضع، اتباعِ سنت اور پابندیِ شریعت میں ممتاز تھے، ان کی نماز خضوع و خشوع اور سکون و طمانیت کی تصویر ہوتی تھی، دار العلوم کی مدرسی کے زمانہ میں لکھنؤ کے اکثر اہل علم ان کے معترف و مداح تھے، اور مسائل میں ان کا فیصلہ قول فیصل کا حکم رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ خوبی کو اپنے فضل و کرم سے نوازے، اور مراتب اعلیٰ عنایت فرمائے،

ہندوستانی ایکاڈیمی الہ آباد جو کئی سال سے حکومت کی تحقیقاتی قید و بند میں گرفتار تھی، اخبارات سے یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ وہ اب گورنر صاحب صوبہ کے حکم سے آزاد کر دی گئی ہے، ہز اکسلنسی نے تحقیقاتی کمیٹی کی ایک دو باتوں سے اتفاق اور اس کے اکثر فیصلوں سے بجا اختلاف کیا ہے، ہز اکسلنسی کی یہ ادب نوازی اس وقت جب دنیا خون میں نہا رہی ہے، اور دوبارہ اس کی امداد کا اجراء جب ہر حکومت جو کچھ اس کے خزانہ میں ہے جنگ کی قربانگاہ پر چڑھا رہی ہے، بیحد تعریف کے قابل ہے،

اگر یہ بات جو ہمارے بہت سے ہموطنوں پر گراں گذریگی صفائی اور ایمانداری کے ساتھ کہدی جائے، تو بیجا نہ ہوگا، کہ ہمارے بہت سے ہموطن جو ہندی کو صوبہ کی زبان بنانے کے لئے سالہا سال سے بیقرار ہیں، ہر اس کوشش کو جس سے اردو کی بقا اور قیام کو کوئی مدد ملے، حد درجہ ناپسند کرتے ہیں، اور اسلئے ہندوستانی ایکاڈیمی الہ آباد ہمیشہ انکی نظروں میں اسلئے کھٹکتی رہی کہ یہ ہندی کیساتھ ہندی کے برابر ہی برابر اردو کو کیوں جگہ دیتی اور اسکی بقا و قیام میں کیوں کوشش کرتی ہے، کانگریس گورنمنٹ کے عہد میں وزیر تعلیم اور اسپیکر جس طرح کھلم کھلا اور بالاعلان ہندی کی اشاعت

اور امداد کا کام انجام دیتے رہے، وہ کچھ چھپی بات نہیں، ان ہی کے اشارہ سے ہندوستانی ایکاڈیمی پر اس نام سے تحقیقات کا پہرہ بٹھایا گیا کہ اس کے ذریعہ سے اردو اور ہندی دو زبانوں کے بجائے، ایک ہندوستانی زبان کا کام کس طرح لیا جاسکتا ہے، حالانکہ اس کے بنانے کی غرض یہ کبھی نہ تھی، بلکہ فریقانہ جھگڑوں سے الگ رہ کر دونوں زبانوں کی برابر کی خدمت تھی،

یہ سب کو معلوم ہے کہ خاکسار نے مخالفتوں کے باوجود ہندوستانی نام اور ہندوستانی زبان کی پرزور حمایت کی تھی، اس سے مقصود یہ تھا کہ دونوں قوموں کے درمیان بول چال کی زبان ایک ہے، اور جسکی صورت یہ تھی کہ ہمارے اردو اور ہندی کے اہلِ قلم چند اصول پر مل کر ایک ہوتے، اور دونوں کوشش کرتے کہ اپنی زبان کو آسان سے آسان کریں، اور لفظوں کے برتال کا طریقہ یہ ہوتا کہ وہ لفظ قبول کئے جاتے جو چلن میں ہیں، اس کے لئے نہ قاموس کے ورق کھولے جاتے اور نہ شبد ساگر سے دیکھ دیکھ کر بولے اور لکھے جاتے، مگر افسوس کہ یہ میری تحریک عام طور سے کامیاب نہ ہو سکی، اس کا سبب صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ ہمارے سیاسی ہندی کے حامی یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہ ہندی کو یعنی سنسکرتی ہندی کو اس صوبہ کی سرکاری اور تعلیمی زبان بنا کر چھوڑیں گے، اس خیال کے حامی اگر صوبہ کی تعلیمی وزارت، مجلس قانون ساز کی صدارت اور ہماری سب سے پرانی تعلیم گاہ (یونیورسٹی) کی وائس چانسلری کی کرسیوں پر ہوں تو نتیجہ کے متعلق فیصلہ مشکل نہیں،

ہندی کے بعض حامیوں کی طرف سے یہ بات کہی گئی ہے کہ اردو مسلمان بادشاہوں کے دربار میں پیدا ہوئی اور صرف ان لوگوں کی زبان رہی جو درباروں سے تعلق رکھتے تھے، باقی سارے ملک کی زبان ہمیشہ ہندی ہی رہی ہے، افسوس ہے کہ یہ نظریہ ایک بڑی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی طرف سے پیش کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ علمی اور تاریخی مسئلوں میں بھی ذہنی تنگ نظری حقیقت کو کس طرح بدلنے پر مجبور کرتی ہے، اردو کی ہزار سال کی تاریخ اب بالکل سامنے آگئی ہے، اسکو دیکھ کر ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ زبان عوام کے جھونپڑوں، بیوپاریوں کی دوکانوں، لشکریوں کے خیموں، اور فقیروں کی خانقاہوں سے نکل کر بادشاہوں کے درباروں تک پہنچی ہے، یہ دربار سے بازار، بازار سے دربار تک نہیں پہنچی ہے، اور یہی واقعہ اردو کی ملکی ضرورت کے راز کو فاش کرتا ہے،

مقالات

عہدِ نبویؐ کے عربی ایرانی تعلقات

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ

قبل اسلام جزیرہ نمائے عرب زیادہ تر صحرا ہے، اس لئے وہاں کی آبادی اپنی غذا تک کے لئے قدیم سے بیرونی درآمد کی محتاج رہی ہے، تعدد ازدواج سے آبادی مین تیز اضافہ اور ذرائع معیشت مین خانہ جنگیون وغیرہ کے باعث روزافزون انحطاط عربون کو اکثر ترکِ وطن پر قدیم سے مجبور کرتا رہا ہے، ایک طرف وہ خطرناک بحری راستہ سے مشرقی افریقہ جاتے رہے، تو دوسری طرف شمال مشرق مین عراق کی طرف اور شمال مغرب مین فلسطین کی طرف بھی خشکی کے راستہ سے ہمیشہ ان[1] کا رُخ رہا، بعد مین ملاحی مہارت بڑھنے پر وہ ہند اور چین تک تجارت کے لئے آنے جانے لگے،

جہان تک ایران کا تعلق ہے، اس کو سب سے پہلے معلوم ہوتا ہے، کہ قبیلۂ طے ہی سے سابقہ پڑا، چنانچہ اب یہ مسلمات سے سمجھا جاتا ہے، کہ فارسی لفظ تازی، اور اسی کا بگڑا ہوا چینی لفظ

---

[1] اسکی قدامت اور وسعت کے لئے دیکھئے میرا مقالہ "عربون کے تعلقات بیزنطینیون سے" مجلۂ تحقیقاتِ علمیہ جامعہ عثمانیہ سالنامہ سوم، مختصر یہ کہ سنٹ پاول کے زمانہ مین دمشق مین ایک عرب بادشاہ حارث حکمران تھا، تو حلب جیسے شمالی علاقون تک مین عرب کی راجدھانیان قائم ہو چکی تھین،

تاشی[1] (جس سے عرب مراد ہوتے ہین) اسی لفظ "طی" کی بگڑی ہوئی صورت ہی،

ان تارکانِ وطن کی تعداد ایرانی صوبہ عراق مین اتنی زیادہ ہوگئی تھی، کہ انھون نے عہد نبوی سے صدیون قبل حیرہ (کوفہ) مین ایک طاقتور سلطنت قائم کرلی تھی، اور لخمی قبیلہ کے ان عرب حکمرانون پر ماحول کا کچھ اتنا اثر پڑا کہ شام کی طرف جانے والے غسانیون کے برخلاف انھون نے خانہ بدوشی تک ترک کردی، اور بستیون مین بس کر عربی تہذیب کی عظیم الشان خدمت انجام دینے لگے،

ایرانی شہنشاہون نے مختلف مصلحتون سے انھین ہاتھوں ہاتھ لیا، چنانچہ ایک طرف تو یہ عرب اور ایران (عراق) کے مابین حد فاصل اور حاجز مملکت (Buffer State) بنے، اور خانہ بدوش بدویون کی عراق مین لوٹ مار کی نہین خود یہ لوگ جھیلنے لگے[2] اور ایرانی امن مین ہوگئے، تو دوسری طرف ایرانی جو روز افزون آرام طلب ہوتے جارہے تھے، مفت کے عرب رضاکارون سے اپنی فوج مین کثیر تعداد مین کام لینے لگے، اس سے عربون مین جنگجوئی اور فوج آرائی کی روح نہ صرف تازہ رہی بلکہ صیقل پاتی اور نصرت مین رچتی گئی، تو ساتھ ہی ایرانی روز بروز جنگ سے ڈرنے لگے، اور بزدل ہوتے گئے، ایرانی بیزنطینی جنگون مین ایک سے زیادہ مرتبہ ان عربی فوجون نے جو فیصلہ کن اور عظیم الشان حصہ لیا، اور ایرانی حکومت کے لئے صرف اپنے بل بوتے پر جو وسیع فتوحات حاصل کین، ان سے ہر کوئی واقف ہے، ان کے دہرانے کی ضرورت نہین، یہ امر البتہ نمایان کئے جانے کے قابل ہے، کہ بیزنطینی قیصرون نے ضجعمیون اور پھر غسانیون سے جنگی حلیفی کرلی، اور ایرانی کسراؤن کے لئے بھی ناگزیر تھا، کہ اسی کے مماثل طاقتور عربون کو اپنا حلیف بنائے رکھین،

عرب کے جانورون تک کی وفاداری ضرب المثل ہے، پھر حیرہ کے حکمرانون پر کسرایانِ ایران کا اعتماد کیون نہ بے پایان ہوتا، کسی اور ملک مین یہ نظیر نہ ملے گی، جیسی یہان ملتی ہے، کہ کسرائے ایران

---

[1] بریٹ شنائڈر کا انگریزی رسالہ "عربون کے متعلق چینیون کے معلومات" (ص ۶) [2] تنبیہ مسعودی ص ۱۸۶

اپنے ولی عہد کو اپنے جونیر حلیف بلکہ ماتحت حکمران حیرہ کے ہان بھیج دے، تاکہ وہین اس کی تعلیم و تربیت ہو، بعد مین بدوی روایات کے حامل اس شہزادے نے حکمران بن کر دنیا پر یہ ثابت کردیا کہ حیرہ کا عربی ماحول مدائن کے ایرانی ماحول سے کہین زیادہ مفید و کردار ساز تھا،

حیرہ والون کی خدمات خود عرب کے لیے کچھ کم اہم نہ تھین، عربی شعراء اور تاجر ہمیشہ ان کے دربار مین بھرے رہتے تھے، اور غیر محسوس طور سے تاثر و تاثیر کرتے چلے جاتے تھے، اور غالباً صحرانشینون سے اس مسلسل تعلق ہی نے باوجود عیش و ترفہ کے لخمی حکمرانوان مین بہت سی اچھی بدوی صفتین مثلاً بات کا پاس اور آن کے لئے جان تک کی پرواہ نہ کرنا، بہت کچھ برقرار رکھین،

عربی رضاکارون کی وفاداری اور اطاعت شعاری نے رفتہ رفتہ دربار مدائن کو یہ بھلادیا کہ حیرہ کمزور اور جونیر حلیف سہی، لیکن ماتحت اور غلام نہ تھا، مجوسی و مزدکی روایات نے عصمت و ناموس کا تصور ہی ایرانی دربار سے مٹا دیا تھا[1]، اسی لئے انھون نے اس مین کوئی برائی ہی نہین سمجھی، کہ انھی اصول کا اطلاق عرب حکمران کی بہو بیٹیون پر کیا جائے، اس کے نتیجے سے سب واقف ہین کہ حکمرانِ حیرہ کو مدائن طلب کیا گیا، اور اس وفاشعار نے جانتے بوجھتے اسکی تعمیل کی، تو تحفظ عصمت کے جرم مین اس کا سر قلم کیا گیا، اور نشۂ غرور مین چور شہنشاہ نے حاجز مملکت کو بھی فنا کردینے کا حکم دیا، چنانچہ حیرہ مین ایرانی افسر آدھمکے اور گو برائے نام ایاس بن قبیصہ نامی ایک عرب کو بھی وہان کے عربون کا سردار بنایا گیا، لیکن سلطنت حیرہ کا ایران سے الحاق کرکے ایک معمولی صوبہ بنادیا گیا، یہ قصہ یہین ختم نہ ہوا، بلکہ حکمران حیرہ نے اپنے پاس کا بعض امانتی مال اصل مالکون کو پہنچانے کے لئے بعض بدوی قبائل کے سردارون کے سپرد کیا، تو شہنشاہی احکام اسکی فوری حوالگی کے لئے پہنچے، اور انکار پر سزادہی اور

---

[1] مزدک نے ملکۂ ایران کے متعلق بھرے دربار مین شہنشاہ سے جس بے باکانہ بے حمیتی کا اظہار کیا تھا، اس سے عربی خوان بے خبر نہ ہونگے،

عربون کی بالکلیہ تباہی کے لئے ایک عظیم الشان ایرانی لشکر روانہ کیا گیا، مگر اب کی دفعہ قدرت نے ایران کو ایک تنبیہ کرنی چاہی، اور ذی قار کی جھیل پر ان کی فوج کو جان پر کھیلے ہوئے بدوؤن نے کاٹ کر رکھدیا، مگر دربار ایران نے بجائے سبق لینے اور اپنی اصلاح کرنے کے عربون پر مزید ستم آرائی شروع کردی، اور انھین روزافزون اپنا دشمن بنانا شروع کیا، (اب جناب رسالت مآب صلعم کا مدنی دورِ زندگی شروع ہوچکا تھا) اور خلافت صدیقی کے آغاز پر اسی ایرانی سرحد کے ستم رسیدہ مثنیٰ شیبانی کا ایران پر حملہ کے لئے اپنے رضاکارانہ خدمات کا پیش کرنا زیادہ تر ایران کی اسی عرب کُش سیاست کا ردِ عمل تھا،

اس واقعہ سے چند ہی سال قبل یمنیون کی دعوت اور تعاون سے ایرانیون نے حبشیون کو نکال کر یمن پر قبضہ کر لیا تھا، اور وہرز کی فوجی گورنری کے بعد لائق باذان وہان گورنر بنا، لیکن پائے تخت ایران مین کچھ ایسی تیزی سے شاہ گردی ہو رہی تھی، کہ مٹھی بھر ایرانی فوج کے لئے کسی مزید کمک کی غیر موجودگی مین یمن پر قبضہ رکھنا بڑا دشوار ہوگیا تھا،

حیرہ اور یمن کے علاوہ مشرقی اور جنوب مشرقی عرب کے ساحلی علاقون یعنی عمان اور الحسار مین بھی (جسے اُس زمانہ مین بحرین کہا جاتا تھا) ایرانی اثرات مستحکم ہوگئے تھے، عمان مین جلندی بن المستکبر کا خاندان کسرائے ایران کی طرف سے حکمران نامزد ہوا تھا، جس کے کچھ حالات محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب المحبّر (مخطوطہ دائرۃ المعارف حیدرآباد) مین لکھے ہین، اور بعد مین اسی جلندی کے بیٹون جیفر اور عبد کو جناب رسالت مآب صلعم نے تخاطب فرمایا تھا، عمان وسیع ملک ہے، وہان کے ایک اور عرب سردار ہوذہ بن علی کو کسریٰ نے ایک جواہر نگار ٹوپی عطا کی تھی، اسی لئے اس کا لقب ذو التاج یا صاحب التاج مشہور ہوگیا تھا، (دیکھئے اشتقاق ابن دُرید ص ۲۰۹ عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد ۲، ص ۴۶) الحسار مین کسی عرب ریاست کا بظاہر پتہ نہین چلتا، اور وہان کے صدر مقام ہجر مین ایرانی فوجی گورنر (مرزبان) رہا کرتا تھا، بعض غیر موروثی عرب افسر بھی تھے،

عرب مؤلفون کے ہان اس قسم کے تذکرے کثرت سے ملتے ہین، فلان عربی شیخ نے فلان بادشاہ (کسریٰ، قیصر، نجاشی وغیرہ) کے ہان باریابی حاصل کی، ابن عبد ربہ نے اس کا ایک مستقل باب (الوفادات) ہی قائم کیا ہی، ایسے ہی ایک شخص سے خوشنودی کے سلسلہ مین کہتے ہین کہ شیخ کی خواہش پر کسریٰ نے ایک مہندس (انجینیر) بھیجا، جس نے وادی وج مین ایک فصیل دار قلعہ تعمیر کیا، جسے طائف کہنے لگے (کتاب الاغانی جلد ۱۲ ص ۴۷-۴۹) اس کے استحکام کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے، کہ فتح مکہ و حنین کے بعد طائف کو اسلامی فوجون نے آگھیرا تھا، اور باوجود منجنیق اور دبابون کے استعمال کے محاصرہ ختم ہوتا نہ نظر آیا، اور جناب رسالت مآب صلعم نے مزید جانی نقصان نامناسب سمجھ کر محاصرہ اٹھا لیا تھا،

ابتدائے اسلام

ایران آتش پرست تھا، انتہائی جنسی اباحیت کی بھی تو حقیقی بہنون اور صلبی بیٹیون تک کو وہان ازدواجی اغراض کے لئے محرمات مین نہین شامل کیا جاتا تھا، غالباً اسی قسم کے معاملات ہون گے، جس نے مشرک عیسائیون کو جناب رسالت مآب صلعم کی نظر مین مجوسیون پر قابلِ ترجیح بنا دیا تھا، قرآن مجید کی سورۂ روم بھی انہی جذبات کی ترجمان ہی،

ابن ہشام (ص ۲۸۴) وغیرہ نے روایت کی ہی کہ ابتدائے اسلام مین جب آنحضرت صلعم مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت اور اسلام کی مدد کی ترغیب دیتے، تو علاوہ اُخروی روحانی ثواب کے وعدے کے یہ پیشینگوئی بھی فرماتے کہ کسریٰ و قیصر کی دولت تمہارے قدمون پر نچھاور ہوگی، جنگ خندق مین سنگ مرمر کی چٹان کو توڑتے وقت چنگاریان اڑنے پر اسی پیشینگوئی کا اعادہ فرمایا گیا تھا، (دیکھو طبری وغیرہ)

مین نے ایک مستقل مضمون مین اس پر تفصیل سے بحث کی ہے[1] کہ ۶ھ کی صلح حدیبیہ کو قرآن مجید نے "فتح مبین" اور "نصر عزیز" کیون کہا ہی، اور کس لئے اسے اسلام اور مسلمانون کی سیاسی کامیابون

---

[1] دیکھئے رسالۂ سیاست حیدرآباد دکن، اپریل ۱۹۴۲ء
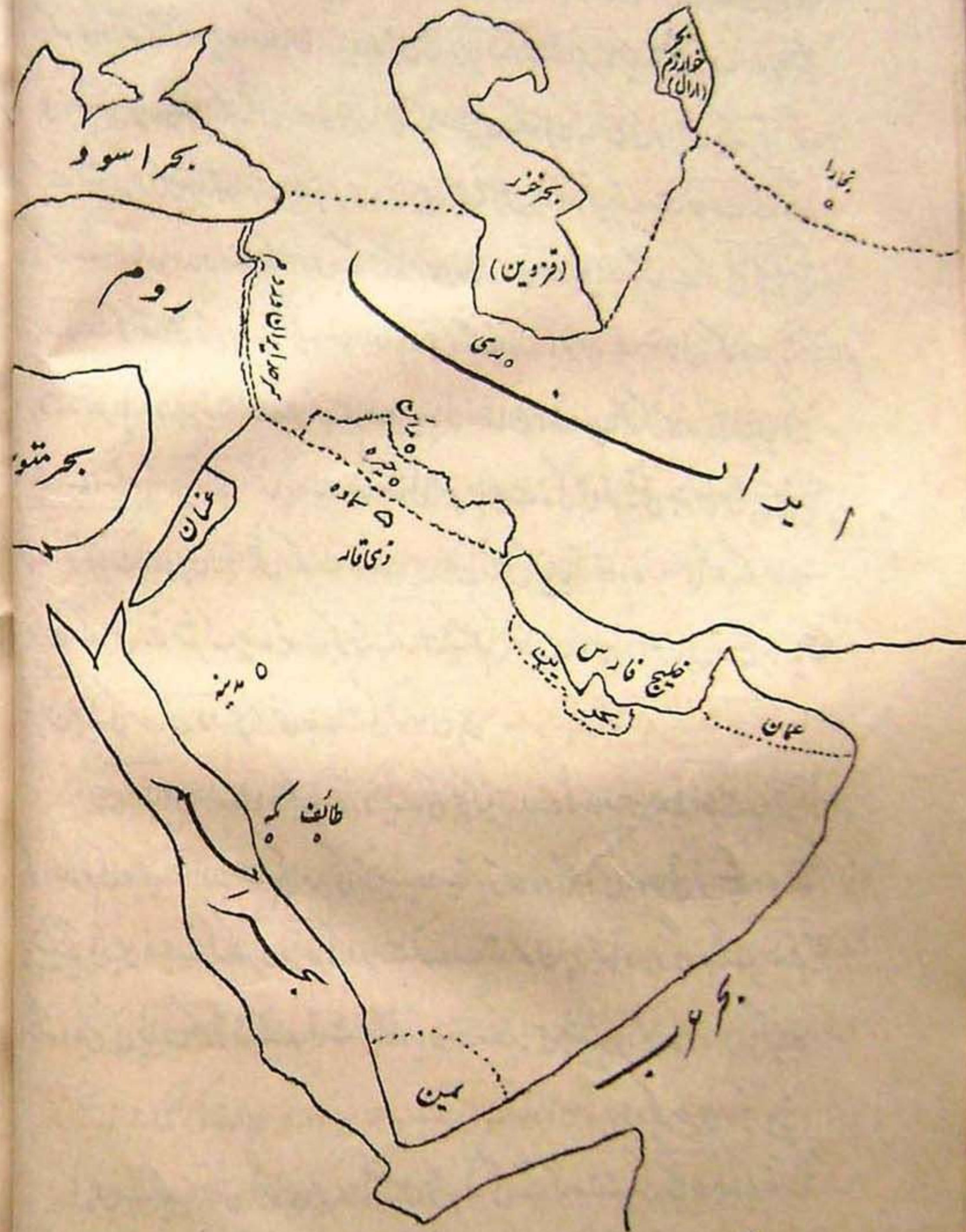
تخمینی نقشہ سلطنت ایران
بوقت آغاز اسلام

کا شاخسانہ سمجھا جاتا ہی، (مشہور عام خیال تبلیغ کی سہولت کچھ دل کو نہین لگتا) یہان اس کا دہرانا غیر ضروری ہے،

بہرحال اس صلح سے جہان مسلمانون کے ہاتھ کھل گئے، اور وہ خیبر کے نوبذیر خطرے کا دو ہی تین ماہ مین استیصال کرنے کے قابل ہوگئے، وہین انھین نینوا مین ایرانیون کی بزنطینیون (رومیون) کے ہاتھون عبرتناک شکست کے سلسلہ مین بین الممالک صورت حال سے فائدہ اوٹھانے کا موقع مل گیا، (نینوا کی لڑائی شعبان ۶ھ مین ہوئی تھی، اس کے بعد ہی صلح حدیبیہ ہوئی)

بلاذری (فتوح ص ۸۵) اور ابن الاثیر (کامل ۲/۱۴۵) نے بیان کیا ہے، کہ ایرانی مقبوضہ بحرین کے ایک عربی النسل افسر منذر بن ساوی کو جناب رسالت مآب صلعم نے سب سے پہلا خط ۶ھ ہی مین روانہ کیا تھا، غالباً کسرائے ایران کا خط بھی اسی نامہ بر کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہوگا، جس نے بحرین کے حاکم سے خواہش کی، کہ اسے کسریٰ کے پاس مدائن بھیج دے،

یہان اسکی غالباً ضرورت نہین کہ سماوہ، بحرین، عمان، یمن وغیرہ عرب کے جملہ ایرانی مقبوضات سے عہد نبوی مین جو اسلامی تعلقات رہے ان کی پوری تفصیل اور ان کا ارتقا بتایا جائے، ورنہ ان علاقون کے ایرانی افسرون یا عرب شیوخ کے نام لکھے ہوئے کئی درجن نامہ ہائے نبوی تاریخ نے محفوظ رکھے ہین، ایک منذرؓ ہی کے نام کے نو خط ملتے ہین، جن مین بحرین کی سیاسیات کی پوری تاریخ محفوظ ہے، ان کے متن کے لئے میری حقیر تالیف الوثائق السیاسیۃ دیکھی جاسکتی ہی، (جس کی طباعت کے بعد اوائل ۱۳۶۱ھ مین کتب خانہ خدا بخش مرحوم پٹنہ مین قبیلۂ عبد القیس سے کیا ہوا ایک اور معاہدہ کتاب وسیلۃ المتعبدین مین دستیاب ہوا ہے) یہان صرف شہنشاہ ایران سے خط وکتابت پر کچھ بحث کیجائیگی، جس مین متعدد گتھیان سلجھانی ہین،

تمام اسلامی مورخون محدثون اور دیگر مولفون نے متفقہ طور سے بیان کیا ہے، کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمسایہ ممالک کے حکمرانون کے نام اسلام کے تبلیغی

خطوط بھیجے، تو ان میں سے ایک کسرائے ایران کے نام بھی تھا، اس کا متن جس میں کچھ لفظی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، یہ ہے،

(۱)	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
(۲)	من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس،	محمد رسول اللہ کی طرف سے سردار ایران کسریٰ کے نام،
(۳)	سلام علی من اتبع الھدی وآمن باللہ ورسولہ،	ہدایت پر چلنے اور خدا و رسول پر ایمان لانیوالے کے لئے سلامتی ہو،
(۴)	وادعوک بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ،	میں تجھے خدا کا بلاوا دیتا ہوں کیونکہ مجھے خدا نے تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے،
(۵)	لانذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین،	تاکہ میں ہر زندہ شخص کو ڈراؤں کافروں کے متعلق خدا کی بات پوری ہو کر رہے گی،
(۶)	فاسلم تسلم،	اسلام لا سلامت رہے گا،
(۷)	فان ابیت فان اثم المجوس علیک،	اگر تو انکار کرے تو تمام مجوسیوں کا وبال تجھی پر پڑے گا،

یہ متن تاریخ طبری ص ۱۵۷۱ و ص ۱۵۷۲ (دو روایتیں) صبح الاعشیٰ قلقشندی جلد نمبر ۶ ص ۲۹۶، کتاب الصناعتین لابی ہلال العسکری، نیز جلد نمبر ۶ ص ۳۶۷، اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون، مکتوب نمبر ۳، المواہب اللدنیہ للقسطلانی جلد نمبر ا ص ۲۹۱، تاریخ الیعقوبی جلد نمبر ۲ ص ۸۳، نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ للزیلعی، مکتوب نمبر ۹، مفید العلوم ومبید الہموم للقزوینی مکتوب نمبر ۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد نمبر ۲ ص ۱۲۲، المنتقی لابی نعیم ورق نمبر ۳۵/ب (مخطوطہ حیدرآباد دکن)

نفریدون بک جلد ا ص ۳۱، وسیلۃ المتعبدین لعمر الموصلی جلد ۸ ورق نمبر ۲/ب (مخطوطہ بانکی پور) میں مکمل ملتا ہے، اور طبقات ابن سعد، اموال ابی عبید، صحیح البخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل وغیرہ میں جستہ جستہ ملتا ہے، اس پر کاتیانی نے اپنی اطالوی "تاریخ اسلام" میں اور اسپرنگر نے اپنی جرمن کتاب سوانح و تعلیمات محمدی میں بحث کی ہے، ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس دوم کی روداد میں میرا بھی ایک انگریزی مضمون اس خط کے متعلق ملیگا،

جیسا کہ ابھی بیان ہوا، یہ متن مختلف تاریخوں نے لفظی اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے، اہم تر یہ ہے، بعض روایتوں میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" حذف ہو گیا ہے، اسکی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ حذف عبارت کا عام رواج رہا ہے،

قلقشندی نے ابو ہلال عسکری سے جو متن نقل کیا ہے، صرف اسی ایک روایت میں "کسریٰ ابرویز عظیم فارس" کے الفاظ ہیں، اور باقی کسی نے بھی پرویز کا نام نہیں لیا ہے، میرا خیال ہے کہ پرویز کا نام بعد کا قیاسی اضافہ ہے، واللہ اعلم،

فقرہ ۳ میں طبری کی ایک روایت میں وشہد أن لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وأن محمدا عبدہ ورسولہ کے الفاظ زائد ہیں، جو اصل فقرے کی صرف شرح معلوم ہوتی ہے،

فقرہ ۴ میں دعار اللہ اور دعایۃ اللہ کی روایتیں عام ہیں، رسالات نبویہ مؤلفہ عبد المنعم خان ٹونکی نے دعار الاسلام کہیں سے نقل کیا ہے، مطلب سب کا ایک ہی ہے،

فقرہ ۵ میں قرآنی آیت کے لحاظ سے بعض روایتوں میں "لینذر" بھی مروی ہے، جو عربی کے لحاظ سے ذرا تکلف سے ٹھیک ہو گا،

فقرہ ۷ میں "فان" کی جگہ "وان" اور اسی طرح "ابیت" کی جگہ "تولیت" نیز "اثم المجوس علیک" کی جگہ "علیک اثم المجوس" وغیرہ فرق بھی ملتے ہیں، جو روایت بالمعنی کا نتیجہ ہیں، ان سے مطلب پر کوئی

اثر نہیں پڑتا،

غرض یہ خط عبد اللہ بن حذافہ السہمی بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے تھے، یہ ٹھیک طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ آیا عبد اللہ بن حذافہ ہی مداین گئے تھے، یا حاکم بحرین نے اپنے کسی آدمی کے ہاتھ اسے پایۂ تخت روانہ کیا تھا، بہرحال تمام اسلامی مؤلف بیان کرتے ہین، کہ کسریٰ (خسرو پرویز) نے طرز تخاطب دیکھتے ہی پورا خط پڑھے بغیر چاک کر دیا، اور نامہ بر کو سامنے سے نکلوا دیا، اس کے علاوہ یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے، کہ کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ دو آدمی مدینہ روانہ کرے اور نبی عربی کو برضامندی ورنہ گرفتار کرکے مداین روانہ کرے، جب یہ لوگ مدینہ آئے تو جناب رسالت مآب صلعم نے اُن سے کہا کہ آج رات میرے رب نے تمھارے رب کو قتل کر دیا، اس پر وہ یمن چلے آئے، اور جلد ہی مداین سے کسریٰ شیرویہ نے سرکاری اطلاع بھیجی کہ اس نے مصلحت عامہ کے تحت اپنے باپ کو قتل کر دیا، اور خود تخت نشین ہو گیا ہے، اور کہتے ہین، کہ شیرویہ کی پدر کشی کی تاریخ وہی تھی، جو حضرت رسول کریم صلعم نے فرمائی تھی، اور اس معجزہ کو دیکھکر باذان اور بہت سے یمنی مسلمان ہو گئے،

یہ واقعہ سیرۃ ابن ہشام (صفہ ۴۶) پر مذکور ہے اور بہ ظاہر ابن اسحاق کا بیان نہین ہے، بلکہ ابن ہشام نے زہری کی روایت خود اضافہ کی ہے، سیرۃ ابن ہشام ص ۹۷۱ مین جہان بادشاہون کے نام خطوط کا ذکر ہے، وہان کسریٰ کے سلسلہ مین یہ قصہ بیان نہین ہوا ہے، تاریخ طبری (ص ۱۵۶۲ تا ۶۴) مین جہان اس سفارت کا ذکر ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل ہوا ہے، وہین زہری کی روایت صرف اتنی بیان ہوئی ہے کہ کسریٰ کے نامۂ مبارک کو پارہ پارہ کر ڈالنے کی اطلاع ملی، تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا اس کے ملک کو بھی پارہ پارہ کر دے، اور طبری نے شیرویہ کی پدر کشی کا قصہ زہری کے اس قطع کلام کے بعد یزید بن حبیب کی روایت کی بنا پر نقل کیا ہے، اور وہان زہری کا اس

سے تعلق نہین ہے،

اس اختلاف کو ہم کوئی خاص اہمیت عام حالتون مین نہین دیتے، لیکن طبری نے جہان یہ قصہ ۶ھ کے حالات مین حدیبیہ کے بعد بیان کیا ہے، وہین ایران قدیم کے حالات مین، (ص ۱۰۰۹) یہ جملہ بھی عکرمہ کے حوالہ سے ایک غیر مربوط قصہ کے آخر مین لکھا ہے:-

فاھلك الله كسرى وجاء الخبر	چنانچہ خدا نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا، اور
الى رسول الله صلى الله عليه وسلم	اس کی اطلاع جناب رسالت مآب صلعم کو حدیبیہ
يوم الحديبية ففرح و	کے دن پہنچی جس سے آپ کو اور آپکے ساتھیون
من معه،	کو خوشی ہوئی،

جب خسرو پرویز کے مرنے کی اطلاع حدیبیہ کے دن آچکی تھی، تو پھر بعد مین پرویز کے نام خط لکھنا، اور پدر کشی کی اطلاع بطور معجزہ دینا سب بے بنیاد قصے بن جاتے ہین، کثیر نویسی کی وجہ سے طبری کے ہان بلا تنقید متضاد روایات کا آجانا اور روایات مین بھی بے احتیاطی سے قطع و برید ہو جانا ایک معروف واقعہ ہے جس سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے طبری کا غور سے مطالعہ کیا ہے، اسی بنا پر ابو نُعیم کی دلائل النبوۃ (جلد نمبر ۲ ص ۱۲۴) کی یہ روایت خاص توجہ کی مستحق ہے کہ:

"رومیون کے ہاتھون ایرانیون کو اسی دن شکست ہوئی تھی جسدن حدیبیہ کی صلح ہوئی اور جب اسکی اطلاع پہنچی تو جناب رسالت مآب صلعم کو بڑی خوشی ہوئی (کہ قرآن مجید کے سورۂ روم کی کئی سال قبل کی پیشنگوئی پوری ہوگئی)

نینوہ کی لڑائی شعبان ۶ھ (دسمبر ۶۲۷ء) مین ہوئی تھی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا عام طور سے اسلامی مورخ یہ بیان کرتے ہین، کہ ہم حدیبیہ کے لئے مسلمان مدینہ سے ذی قعدہ ۶ھ مین نکلے لیکن امام ابو یوسف نے کتاب الخراج (ص ۱۲۳) مین یہ روایت بیان کی ہے، کہ جناب رسالت مآب صلعم

حدیبیہ کے لئے رمضان مین نکلے، تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۶۴) مین حدیبیہ کے ذی قعدہ مین پیش آنے کا ذکر کرکے اس بات پر تعجب ظاہر کیا گیا ہو کہ عروہ کے بیان کے مطابق صلح حدیبیہ ماہ شوال مین منعقد ہوئی،

آنحضرت صلعم کے ہمعصر زمانہ کی تاریخین نہ تو بیزنطینیون کے ہان محفوظ رہین، نہ ایرانیون کے ہان، اور نہ حبشیون کے ہان، ان حالات مین ایک واحد استثناءً خاص توجہ کا محتاج ہے، وہ یہ قیصر ہرقل اور کسریٰ پرویز مین جب آخری فیصلہ کن لڑائی شروع ہوئی، تو قیصر میدان جنگ سے وقتاً فوقتاً اپنے بیٹے کو خط روانہ کرتا رہا، اتفاق سے یہ اب تک محفوظ ہین، اور انہی مین سے ایک مین قیصر نے اپنے بیٹے کو لکھا ہو کہ خبر آئی ہو کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے ۲۰ فروری ۶۲۸ء کو قتل کر ڈالا ہے[1] (جو وسط رمضان ۶ھ کے مطابق ہو) قرائنی شہادت قیصر کے اس خط کی صحت کی تائید کرتی ہو، شعبان مین نینوا مین فیصلہ کن شکست کھانے کے بعد وسط رمضان مین اس کا مارا جانا کوئی تعجب کا حامل نہین، اور بظاہر قیصر کو اس واقعہ کے بیان کرنے مین عمداً جھوٹ پر آمادہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہین آتی، اسی وجہ سے واقدی کا یہ بیان کرنا کہ:-

"شیرویہ نے اپنے باپ کسریٰ کو منگل کی رات ۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۷ھ کو قتل کیا، جب کے چھ گھڑی رات گذر چکی تھی، (تاریخ طبری ص ۱۵۹۴)

اپنے اندر مقابلۃً کم کشش رکھتا ہو،

[1] قیصر ہرقل کی جنگون کے متعلق بھی بڑی پیچیدگیان ہین، اس موضوع پر سب سے مستند کتاب جرمن زبان مین گیرلانڈ (Gerland) کی ہے جس کا نام "قیصر ہرقل کی ایرانی مہمین" (Die persische feldzüge des Kaisers Herakleios) ہے، یہ واقعہ اس کتاب مین یونانی مورخ تیوفان کے حوالہ سے نقل ہوا ہی،

غرض اس وقت جو گتھیان نظر آتی ہین ان کا خلاصہ یہ ہی:-

واقعہ	طبری فی روایہ	ابونعیم	ابویوسف	واقدی	ابن کثیر فی روایہ	ہرقل کا خط یونانی تاریخ مین	عام مورخین
نینوہ مین ایرانی شکست	.	.	.	.	یوم الحدیبیہ	.	شعبان ۶ھ
کسریٰ پرویز کا قتل بیٹے کے ہاتھ	یوم الحدیبیہ	.	.	۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۷ھ	.	وسط رمضان ۶ھ	.
اس قتل کی اطلاع کا جناب رسالتمآب صلعم کو پہنچنا	.	یوم الحدیبیہ	.	.	.	.	حدیبیہ کو کئی ماہ بعد تقریباً ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ مین
حدیبیہ کیلئے روانگی	.	.	رمضان ۶ھ	.	.	.	ذی قعدہ ۶ھ
صلح حدیبیہ					شوال ۶ھ	.	تقریباً اواخر ذی قعدہ یا اوائل ذی حجہ ۶ھ

ان مین ممکن ہو تو باہم تطابق دینے ورنہ کسی ایک کے بیان کو ترجیح دینے کی ضرورت ہی، لیکن اس طرف توجہ کرنے سے قبل دو اہم امور بطور تمہید ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہی:-

۱- واقدی اور ان کے شاگرد ابن سعد نے سیرۃ نبویہ کے واقعات کو کبھی تو ہجری سنہ سے بیان کیا ہی، اور کبھی ہجرت کے وقت سے، اور سب جانتے ہین کہ ہجرت ۱۲ ر ربیع الاول کو ہوئی اور سنہ ہجری اس سے کوئی دو ماہ اٹھارہ دن قبل یکم محرم سے شمار کیا جاتا ہی، اسی لئے مثلاً جنگ بدر کا ذکر کرنا ہو تو ماہ نہم (رمضان) ۲ھ یا ہجرت سے ایک سال چھ ماہ بعد کہنا پڑے گا، واقدی نے کسی ایک طریقہ شمار کا چونکہ شروع سے آخر تک لزوم نہین رکھا ہے، اس لئے من الہجرۃ (ہجرت کے وقت سے) اور للہجرۃ (ہجری سنہ سے) کہنے مین بآسانی خلط ملط ہوسکتا ہے، مزید بران

اگر راوی کی صرف روایت پہنچی ہو، اور اس سے بالمشافہ جرح اور تعین کا موقع نہ ہو، اور راوی نے ہجری سنہ مراد لیا ہو، اور واقدی نے وقت ہجرت سے مدت مراد ہونی سمجھی ہو، تو نادانستہ مین ماہ کا بڑی آسانی سے فرق پیدا ہو جاتا ہے، خاصکر اس لئے کہ واقدی نے مہینے کا نام لینے کے لئے اکثر مہینون کی گنتی دی ہے، کہ ہجرت کے اٹھارہ یا بیس مہینون بعد وغیرہ،

۲- جناب رسالت مآب صلعم نے ذی حجہ سنہ ۱۰ھ مین سال کبیسہ کو عربی مہینون کے لئے ہمیشہ کے واسطے منسوخ فرما دیا، اور خطبۂ حجۃ الوداع مین اس کی قرآنی ممانعت (انما النسئی زیادۃ فی الکفر الآیہ) کو دہرانے کے بعد ارشاد فرمایا تھا،

وَاِنَّ الزَّمان قد استدار کھیئۃ	زمانہ چکر کھا کر پھر وہی شکل اختیار کر چکا ہے،
یَوْمَ خلق اللہ السّمٰوٰتِ والارض	جیسا خلقت آسمان و زمین کے وقت تھا،

(سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۸ تاریخ طبری ص ۱۷۵۴، وغیرہ)

اور متفقہ طور سے اسکی تشریح یہ کیجاتی ہے کہ اس وقت سنہ ۱۰ھ مین حجۃ الوداع کے موقع پر قمری اور کبیسہ دونون لحاظ سے ذی حجہ باہم جمع ہو گئے تھے، قمری اور کبیسہ مہینون کے متعلق عربی مورخون نے جو بیانات چھوڑے ہین، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہر تیسرے سال قبیلۂ بنی فقیم کا سردار (جس کا لقب قلمس ہوا کرتا تھا) حج کے موقع پر منیٰ مین ایک خاص رسم کی انجام دہی کے ذریعہ سے اعلان کرتا تھا، کہ اب جو ذی حجہ چل رہا ہے، اس کے بعد نیا چاند نظر آئے، تو وہ محرم الحرام کا نہ ہوگا (بلکہ ایک گمنام اور غیر محترم مہینہ ہوگا) اور اس کے بعد کا نیا چاند محرم الحرام کا ہوگا، (جدید علم ہیئت بھی یہی کہتا ہے کہ قمری سال مین شمسی سال سے دس دن کم ہوتے ہین، اور ہر تیسرے سال ایک مہینہ کا فرق پڑ جاتا ہے) اس بیان کے بموجب اگر سنہ ۱۰ھ مین دونون قسم کے مہینے یکجا ہو گئے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

سنہ ۶		سنہ ۷		سنہ ۸		سنہ ۹		سنہ ۱۰	
ہجری مدنی	کی کبیسہ	ہجری مدنی	کبیسہ کی	ہجری مدنی	کبیسہ کی	ہجری مدنی	کبیسہ کی	ہجری مدنی	کبیسہ کی
محرم	ربیع ۱	محرم	صفر	محرم	صفر	محرم	صفر	محرم	محرم
صفر	ربیع ۲	صفر	ربیع ۱	صفر	ربیع ۱	صفر	ربیع ۱	صفر	صفر
ربیع ۱	جمادی ۱	ربیع ۱	ربیع ۲	ربیع ۱	ربیع ۲	ربیع ۱	ربیع ۲	ربیع ۱	ربیع ۱
ربیع ۲	جمادی ۲	ربیع ۲	جمادی ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	ربیع ۲	ربیع ۲
جمادی الاول	رجب	جمادی ۱	جمادی ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	جمادی ۱	جمادی ۱
جمادی ۲	شعبان	جمادی ۲	رجب	جمادی ۲	رجب	جمادی ۲	رجب	جمادی ۲	جمادی ۲
رجب	رمضان	رجب	شعبان	رجب	شعبان	رجب	شعبان	رجب	رجب
شعبان	شوال	شعبان	رمضان	شعبان	رمضان	شعبان	رمضان	شعبان	شعبان
رمضان	ذی قعدہ	رمضان	شوال	رمضان	شوال	رمضان	شوال	رمضان	رمضان
شوال	ذی حجہ	شوال	ذی قعدہ	شوال	ذی قعدہ	شوال	ذی قعدہ	شوال	شوال
ذی قعدہ	×	ذی قعدہ	ذی حجہ	ذی قعدہ	ذی حجہ	ذی قعدہ	ذی حجہ	ذی قعدہ	ذی قعدہ
ذی حجہ	محرم	ذی حجہ	محرم	ذی حجہ	محرم	ذی حجہ	×	ذی حجہ	ذی حجہ

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہین کہ ذی قعدہ سنہ ۶ کی مین جب صلح حدیبیہ ہوئی، تو رمضان سنہ ۶ ہجری چل رہا تھا، اور اس طرح عروہ کا یہ کہنا کہ مہم حدیبیہ شوال مین ختم ہوئی یا امام ابو یوسف کا کہنا کہ حدیبیہ کے لئے مسلمان مدینہ سے رمضان مین نکلے تھے، اور عام مورخین کا اس واقعہ کو ذی قعدہ مین قرار دینا، ان مین باہم کوئی تضاد نہیں، چونکہ اس وقت تک سال کبیسہ منسوخ نہین ہوا تھا، اور مکہ پر قریش ہی قابض تھے، اس لئے ان کے حج کا موسم ان کے ذی قعدہ سے شروع

ہو تھا، حالانکہ خالص قمری حساب سے ابھی رمضان ہی کا مہینہ چل رہا تھا،

سنہ ہجری اور وقت ہجرت کے فرق کے تین مہینے اور قمری اور کبیسہ سالوں کے ۷ھ میں فرق کے تین مہینے جملہ چھ مہینوں کا فرق، یہ بڑی آسانی سے واقدی کی اس روایت کی توجیہ کردیتا ہے کہ پرویز کا قتل ذی قعدہ (کی) کی جگہ جمادی الاولیٰ میں کیوں بیان کیا گیا، دوسرے الفاظ میں راوی نے کہا ہوگا، کہ سنہ ہجرت اکترویں مہینہ میں، اور واقدی نے وقت ہجرت (ربیع الاول) سے حساب کیا، اور نہ تو وہ کبیسہ سالوں کا خیال رکھا، اور نہ ہجرت اور سنہ ہجری کے فرق کا لحاظ کیا، اور سنہ ہجرت کے اکترویں مہینہ یعنی ذی قعدہ ۶ھ کی جگہ جمادی الاولیٰ ۷ھ بیان کردیا،

واقدی نے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ خسرو پرویز کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارے جانے کی تاریخ انھیں کس ماخذ سے معلوم ہوئی، اگر اس تاریخ کے متعلق یونانی مورخ کا بیان (خود قیصر ہرقل کے خط کی بنا پر) صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ ۲۰ فروری ۶۲۸ء (مطابق وسط رمضان ۶ھ م وسط ذی قعدہ ۶ھ ملی) کا ہوا ہوگا، اور یہ روایت قطعاً رد کردینی پڑے گی، کہ کسریٰ کے حکم سے جب یمن سے دو ایرانی افسر مدینہ آئے تو جناب رسالتمآب صلعم نے ان سے فرمایا کہ آج رات میرے رب نے تمھارے رب کو قتل کردیا" اور یہ کہ اس پیشینگوئی یا غیب گوئی کے صحیح ثابت ہونے پر گورنر یمن مع حوالی موالی مسلمان ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی عظمت کی برقراری کے لئے ایسے کسی معجزہ کی محتاج نہیں، خاص کر جب کہ اس معجزہ کا حال کچھ بہت زیادہ مستند ذرائع سے بھی معلوم نہیں ہوتا ہے، اور اس کے متعلق خود عرب مؤلف متضاد باتیں بیان کرتے ہیں حتی کہ اگر واقدی کی روایت کہ یہ قتل ۱۰ جمادی الاولیٰ کو ہوا، صحیح بھی مانی جائے تو متعدد علمی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اور پرویز کے قتل کی جو تاریخ ایرانی اور رومی ذرائع سے متعین ہے، اسے نظرانداز کرنا آسان نہیں ہے،

اسی لئے طبری کی روایت کہ کسریٰ کے قتل کی اطلاع حدیبیہ کے دن آئی، اصل میں اس روایت کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جو ابونعیم نے بیان کی ہے، کہ نینوا کی شکست کی خبر حدیبیہ[1] کے دن آئی، اور اس میں کوئی امر مانع نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ یہ حدیبیہ سے مہینہ بھر پہلے کا واقعہ تھا، اور اس عرصہ میں ایران کی خبر اس زمانہ میں مکہ تک آسکتی تھی،

مجھے اپنے ان اخذ کردہ نتائج پر اصرار نہیں ہے، اور اگر کوئی اہل علم ان کی اصلاح کرسکیں اور گتھیوں کو سلجھا سکیں تو سیرۃ نبویہ کی ایک الجھن رفع ہوسکے گی، واللہ الھادی إلی الصواب و ھو الموفق والیہ المآب،

تتمہ — جیسا کہ عرض کیا گیا جناب رسالتمآب صلعم نے کسریٰ عظیم الفرس کے نام خط روانہ فرمایا تھا، ابوہلال عسکری کی روایت کہ خط میں "کسریٰ ابرویز" لکھا ہوا تھا، ممکن ہے کہ صحیح ہو، اور باوجود پرویز کے قتل ہوچکنے کے اس کی اطلاع اس وقت تک مدینہ منورہ نہ آئی ہو، لیکن پرویز کے قتل کے بعد مداین میں جو شاہ گردی شروع ہوئی، اس کے باعث یہ نہیں معلوم کہ وہ نامۂ مبارک دراصل کس نے وصول کیا، بہر حال ایران کی پریشان صورت حال کے باعث جناب رسالتمآب صلعم نے براہ راست ایرانی مقبوضات عرب کے افسروں سے مخاطبت شروع فرمائی، چونکہ ان مٹھی بھر ایرانیوں کو اب مداین سے کسی کمک اور مدد کی توقع نہ رہی تھی، جیسا کہ طبری نے (تاریخ ص۱۶۵۰) میں بیان کیا ہے کہ کم از کم یمن میں ایک وطنیت پسند تحریک زور و شور سے اٹھ چکی تھی، کہ مداخلت کنندہ ایرانی غیر ملکیوں کو نکال باہر کیا جائے، اس لئے علاوہ اور اسباب کے کوئی تعجب نہیں کہ اپنی جان و مال کے اس خطرہ کو دیکھکر ان ایرانیوں نے اسلام قبول کرنے اور حکمران عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت حاصل کرنے کی جانب ترغیب پائی ہو، اور ہم دیکھتے ہیں، کہ یمن، عمان، بحرین وغیرہ کے ایرانی مقبوضات دیکھتے کے دیکھتے

[1] گو ابونعیم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نینوا کی شکست ہی حدیبیہ کے دن ہوئی،

مداین سے ٹوٹ کر مدینہ سے جڑ گئے تھے، اور آنحضرت صلعم کی سیاست خارجہ کچھ اتنی کامیاب ہو رہی تھی، کہ باقی علاقون کے لئے مداین کو فکر ہونے لگی، چنانچہ چند ہی دنون بعد جب قسمت نے بوران دخت کو تختِ کیانی پر پہنچایا، تو اس نے جناب رسالت مآب صلعم کے پاس تحفے تحائف بھیج کر دوستی کی طرح ڈالنی چاہی (جیسا کہ تاریخ طبری صفحہ ۳۱۶۳ میں صراحت سے اور ترمذی شریف جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۹۶ باب قبول الہدایا مین بلا صراحتِ نام اس کا ذکر ملتا ہے)

ضمیمہ | نسی کے متعلق عرب مولفون مین سے البیرونی وغیرہ بعض یہ بیان کرتے ہین، کہ یہ سال قمری کو سال کبیسہ بنانے کا نام ہے، تو بعض مولف یہ بیان کرتے ہین کہ یہ اشہر حرم کی طوالت سے گھبرا کر غیر حرام مہینہ بیچ مین شامل کیا جانے کا نام تھا، تاکہ اس زمانہ مین لوٹ مار کیجا سکے، غور کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ نسی کی حرمت کے کئی سو سال بعد جب خالص قمری سنہ مین پلے ہوے بعض عرب مؤلف اس کو سمجھ نہ سکے، اور جس طرح قمری و شمسی سال مین سالانہ دس دن کا فرق قدیم زمانہ مین عام بدویون کی سمجھ مین نہ آتا تھا، اور وہ قلمس کی کبیسہ گری کو محض یہ سمجھتے تھے، کہ مسلسل تین حرام مہینون کی دل برداشتہ کرنے والی طوالت کو توڑنے کے لئے ایک غیر حرام مہینہ لایا گیا ہے، بالکل اسی طرح انہی بدویون کی اولاد اور ان کی کہاوتون اور روایتون کے حامل مسلمان علما، بعد کو زیادہ غور کئے بغیر بدویون کی روایتون کو اسلامی ادبیات مین شامل کرنے لگے، نسی کے متعلق سویڈن کے پروفیسر موبرگ (Moberg) نے جرمن زبان مین سنہ ۱۹۳۱ء مین جو مقالہ لکھا ہے، وہ چاہے نتائج کے لحاظ سے غیر تشفی بخش ہو لیکن مواد اور حوالون کے اعتبار سے بہت مفید ہے، اسی کا خلاصہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین بھی دیا گیا ہے،

قصص الحق

داستانِ کلیمؑ

از

پروفیسر سید نواب علی صاحب سابق وزیر تعلیم جوناگڈھ

ہنود کی طرح مصریون کے بھی بے شمار دیوتا اور دیویان تھین، جن کے بت مندرون مین پوجے جاتے تھے، ان کا بڑا دیوتا امن تھا، جس کا چہرہ کبھی بشکل ایک رئیشائل انسان کے اور کبھی مینڈھے کی طرح جس کے دو سینگ کانون کی طرف جھکے ہوئے نقش کیا جاتا تھا، اور پیچھے ایک دم لٹکتی ہوتی تھی، سر پر لمبی کلاہ دو گوشہ سرخ سبز اور نیلے رنگ کی پیشانی کے دونون جانب بدر کامل اور آفتاب، اس دیوتا کا عظیم الشان مندر دار السلطنت تھیبس مین تھا، اور ملک بھر مین بڑا متبرک مانا جاتا تھا، اور ہر فرعون وہان نذر و نیاز چڑھایا کرتا تھا، اس مندر کا سردار کاہن نہایت مقتدا اور متمول ہوتا تھا، اور عموماً وزیر سلطنت سیاہ و سفید کا مالک اور محکمہ تعمیرات کا افسر اعلی ہوتا تھا، اراضی ملک کا ۱/۱۰ حصہ اس کے قبضہ مین بطور جاگیر رہتا تھا، اور ذاتی مسلح فوج رکھنے کا اختیار رکھتا تھا، تخت نشینی کے جھگڑون مین جس فریق کا طرفدار سردار کاہن ہوتا تھا، وہی فرعون بن بیٹھتا تھا،

فراعنہ میں پہلا موحد | پندرہوین صدی قبل مسیح مین امینوتپ سوم بڑے شان و شکوہ کا فرعون گذرا ہے، اس کے عہد مین دولتِ مصر دنیا کی سب سے بڑی سلطنت شمار ہوتی تھی، اس کے عہد کے تعمیرات اور صنعی نمونے اعلی صناعی اور نقاشی کے نمونہ تھے، اس کا میرِ عمارت اپنے زمانے کا مشہور ساحر سمجھا جاتا تھا

اس نے تھیبس کے مغربی میدان مین فرعون کے دو بڑے مجسمے ایسی صنعت سے بنائے تھے، کہ طلوع آفتاب کے وقت ان کے جوف سے آوازین نکلتی تھیں، (سامری نے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ مین سونے کا بچھڑا اسی صنعت سے بنایا تھا) اس فرعون نے ۲۶ برس حکومت کی، تخت نشینی کے بیسوین سال اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جو باپ کی وفات کے بعد امینوتپ چہارم کے لقب سے جانشین ہوا، اس نے حکیمانہ دماغ پایا تھا، اور مزاج مین بڑی نفاست تھی، ابتدا ہی سے اسکو بت پرستی سے نفرت تھی، اور وزیر اعظم سردار کاہن کے مذہبی تشدد اور امور مملکت میں دخل اندازی کو پسند نہین کرتا تھا، سردار کاہن نے بادشاہ کا یہ رنگ دیکھکر عوام کے مذہبی جوش کو بھڑکا کر اپنی قوت بڑھانا چاہی، مگر فرعون کی ہیبت دلون مین بیٹھی ہوئی تھی، کچھ نہ ہو سکا تب فرعون نے کھلم کھلا اپنے عقائد کا اظہار شروع کیا، اور امن کے مندر کی معافیان ضبط کرین، اور بتون کی پوجا کی ممانعت ہونے لگی، پھر اس نے اپنا پایہ تخت تھیبس سے بدل کر تین سو میل جانب جنوب البتان مین قائم کیا، اور ایک نیا عالیشان معبد بنایا، جس مین نہ اصنام تھے، نہ تماثیل، صاف ستھرا مکان جانب مشرق خوشبودار پھولون سے آراستہ، عبادت کے وقت آتون یعنی نور الانوار کا ذکر ہوتا تھا، جس کا مظہر آفتاب اور جس کی شعاعین مبدأ حیات تھین، اسکی تعلیم یہ تھی، کہ آتون جو خدائے واحد ہے، حسن کامل ہی، اس تک رسائی حسن کلام اور حسن عمل سے ہوتی ہی، روح انسانی اسکے نور کی ایک شعاع ہے، اسلئے کشت و خون اور جنگ و جدال سے گریز چاہیے، اور صلح اور آشتی سے زندگی بسر کرنا چاہیے، اس حکیمانہ تعلیم کے ساتھ فرعون نے اپنا لقب امینوتپ بدل کر اخیتون رکھا، اور حکم دیا کہ ممالک محروسہ مین اس نئے دین کی تبلیغ کیجائے، چنانچہ مصر اور شام مین نئے عبادت خانے تعمیر ہوئے، اخیتون نہ صرف حکیم موحد تھا، بلکہ شاعر بھی تھا، اس کی ایک مناجات گذشتہ صدی مین دستیاب ہوئی ہے، کہتا ہی:

تیری صنعتین جو ہماری نظرون سے غائب ہین، شمار نہین ہو سکتین، اے خدائے واحد تیری

قدرتین کسی اور مین کب ہین، تو نے عالم کو اپنی مرضی کے مطابق بنایا، ایسی حالت مین جب کہ تو یگانہ تھا، کائنات تیرے ید قدرت مین ہے، تیرے ظہور سے زندگی ہے، اور تیری غیبت سے موت، تجھی سے انسان کی زندگی ہے، اور اس کی آنکھین تیرے ہی حسن کی نگران ہین، تو نے ہی صورت حسین کھینچی ہے، اور ہان تو ہی میرے قلب مین جلوہ گر ہے"

آخر کے مضمون کو اردو کے ایک شاعر نے خوب ادا کیا ہے،

دیر و حرم کا جب کہ جہان مین نشان نہ تھا
عاشق کے دل سوا کوئی اسکا مکان نہ تھا

اخینتون کا انتقال جوانی مین ہو گیا، اسکی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، جانشین نااہل نکلے، اور ایک ہی قرن کے اندر اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا، امن دیوتا کے کاہنون کی پھر بن آئی، انھون نے اپنے ڈھب کے فراعنہ جو انیسوین خاندان رعمیس کے نام سے مشہور ہین، تخت پر بٹھائے، اور ظلم و استبداد کا زور و شور سے عمل شروع ہوا، اخینتون کے متبعین اور ہم نوا پر آفت آگئی، بہت سے مارے گئے، اور اکثرون نے اپنا ایمان چھپایا، بنی اسرائیل بھی جو قوم ہکساس کے اخراج کے بعد سے مورد ظلم و ستم تھے، اب بے طرح ستائے جانے لگے، آخر ان مظلومون کی نالۂ نیم شبی اور آہ سحر نے عرش الٰہی کو ہلا دیا، اور خدا کے کلیم کا بشکل موسیٰ ظہور ہوا،

توریت کتاب خروج مین لکھا ہی کہ بنی اسرائیل جنھیں حضرت یوسفؑ نے مصر مین آباد کیا تھا، ۴۳۰ برس کے بعد وہان سے حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ غرق فرعون کے بعد نکل گئے، اس وقت حضرت موسیٰؑ کی عمر اسّی سے متجاوز ہو چکی تھی، اس حساب سے آپ کی پیدایش کا زمانہ چودہ سو برس قبل مسیحؑ تھا، اور وہ دور فرعون ستی اوّل کا تھا جس نے بیس سال تک حکومت کی، اسکی وفات کے بعد اس کا نابالغ بیٹا رعمیس دوم تھیبس کے دار السلطنت مین تخت نشین ہوا، اور ۶۷ برس تک حکومت

کی اور یہی حضرت موسیٰؑ کا فرعون تھا،

قرآن مجید مین حضرت موسیٰؑ کا قصہ سب سے زیادہ متعدد سورتون مین بار بار مذکور ہے، اور
واقعات تقریباً وہی ہین، جو توریت کتاب خروج، اعداد اور مثنیٰ مین درج ہین، لیکن چند ایسے
واقعات بھی سورہ المومن، سورہ الکہف اور سورہ یونس مین مذکور ہین جس کا ذکر کتب یہود و
نصاریٰ مین نہین ہے، لیکن ان کی تصدیق گذشتہ صدی مین مصر کے آثار قدیمہ کے انکشاف سے
اب ہوتی ہے، ان واقعات کو ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

اول، آل فرعون کا ایک مرد مومن،

حق تعالیٰ سورۂ المومن مین ارشاد فرماتا ہے،

وَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ	کہا ایک آدمی نے آل فرعون مین سے جو
اِيْمَانَهٗ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ	چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم
يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ	قتل کرتے ہو ایسے آدمی کو جو کہتا ہے کہ
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ	میرا رب اللہ ہے اور وہ آیا تمھارے پاس
(المومن)	تمھارے رب کی دلیلون کے ساتھ،

فرعون نے جب حضرت موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبۂ الٰہی سُنا تو برہم ہو کر حضرت
کو قتل کرنا چاہا، لیکن آل فرعون کے ایک مرد مومن نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، مانع ہوا
اور فرعون کو سمجھانے لگا، کہ وہ اپنے قصد سے باز آئے، اس مرد مومن کا ذکر توراۃ مین نہین ہے،
ہمارے مفسرین نے قیاس آرائی کی، مگر کوئی ثبوت نہ تھا، اب جب کہ فرعون اختین آتون کے حالات
کا جن کو ہم اوپر لکھ چکے ہین آثار قدیمہ سے انکشاف ہوا تو دیکھو کہ قرآن کی معجز بیانی کی کیسی تصدیق
ہوتی ہے، خاندان رعمسیس امن دیوتا کے کاہنون کی حمایت سے تخت نشین ہوا تھا، فرعون اختین

آتون کے متبعین جو موحد تھے، نئی حکومت کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے، انہی مین
سے آل فرعون کا یہ مرد مومن بھی تھا جسے حضرت موسیٰؑ کے بے خوف و خطر اعلان حق سے اتنی جرأت
ہوئی کہ متکبر فرعون کو سمجھانا شروع کیا، اور یون کہنے لگا،

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ	اور اے میری قوم مین ڈرتا ہون تمھارے لئے
التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ	پکارنے کے دن سے جب کہ تم پھر جاؤ گے پیٹھ
مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ وَ	پھیر کر، اور نہین ہوگا تمھارے لئے اللہ سے کوئی بچانیوالا
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ	اور جس کو اللہ گمراہ کرے نہین ہے اس کے لئے
	کوئی راہ دکھانے والا،

ان آیات مین ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے، آل رعمسیس کی تخت نشینی کے بعد مغربی
ایشیا کے مفتوح ممالک نے بغاوت کی اور متحدہ قوت سے مقابلہ پر آمادہ ہوئے، موسوی فرعون
رعمسیس دوم ایک قہار فوج لیکر ان پر حملہ آور ہوا، مگر میدان جنگ مین اسکی فوج کا ایک بڑا
حصہ شکست کھا کر بھاگا، اتحادیون نے مصری کیمپ کو لوٹنا شروع کیا، یہ دیکھکر فرعون اپنی
بقیہ فوج کو یکجا کر کے بادل کی طرح گرجتا ہوا بڑی دلیری سے ان پر ٹوٹ پڑا، اور دشمنون
کو مارتا کاٹتا ہوا دریائے ارنٹو کی طرف ڈھکیل دیا، جہان ان کی کثیر تعداد دریا مین غرق
ہوگئی، اس فتح کی یادگار مین فرعون نے ایک بڑا مندر رعمیم شہر تھیبس مین بنوایا، اور دیوارون پر
اس جنگ کا نقشہ کھنچوایا، فرعون ایک قوی ہیکل دیوتا کی طرح کھڑا ہے، ہاتھ مین بھاری کمان ہے
جس سے وہ اپنے دشمنون کے جم غفیر پر جنکو بہت ہی پستہ قد دکھایا ہے، تیرون کی بوچھار کر رہا ہے، وہ
بھاگ رہے ہین، اور دریا مین ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو مدد کے لئے بلا رہے ہین،
اس ہیبتناک منظر کو یاد دلاتے ہوئے آل فرعون کا وہ مرد مومن قوم سے کہتا ہے کہ فرعون

کی زیادتیوں کا کہین وہی نتیجہ نہ نکلے جس کی تصویر اوس نے نقش کرائی ہے، یٰقوم انی اخاف علیکم یوم التناد کے یہ معنی ہین جواب حل ہوے ہین، یہان یہ بلیغ انداز بیان بھی ملحوظ رہے، کہ وہ مرد مومن متکبر فرعون کو براہ راست مخاطب نہین کرتا ہی، کہ کہین اس کے غصہ اور ضد کی آگ بھڑک نہ اُٹھے، بلکہ ایک مختصر اور موثر تقریر مین قوم سے خطاب کرتا ہی، مردان خدا کی نگاہ کتنی تیز ہوتی ہی، وہ مستقبل کی تصویر حال کے آئینہ مین دیکھتے ہین!

دوم، قصہ مجمع البحرین،

واذ قال موسٰی لفتٰہ لا ابرح	اور جب کہا موسٰی نے اپنے جوانوں سے کہ
حتی ابلغ مجمع البحرین او (کہف رکوع ۹)	نہین ٹلون گا مین یہانتک کہ پہنچون مین
امضی حقبًا	دو دریاؤن کے ملنے کی جگہ یا اسی طرح برسون

ان آیات مین جس واقعہ کا ذکر ہے، وہ تفاسیر و احادیث مین قصہ خضر و موسٰی کے نام سے مشہور ہے، جو غرق فرعون کے بعد جب بنی اسرائیل بیابان تیہ مین سرگردان تھے، حضرت موسٰی کو پیش آیا ہی، کہا جاتا ہی کہ آپ ایک دن وعظ فرماتے ہین جس سے مجمع نہایت متاثر ہوتا ہی اور حیرت سے پوچھتا ہے کہ کیا آپ سے بھی بڑھکر کوئی اور عالم ہے، آپ نفی مین جواب دیتے ہین وحی آتی ہے کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین پر ہے، جو تجھ سے زیادہ عالم ہے، آپ شوق علم مین نکل پڑتے ہین، اور اس بزرگ سے جو خضر ہین، استفادہ فرماتے ہین، یہان یہ یاد رہے کہ جس زمانہ کا یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے، اس وقت آپ کی عمر سو سے زائد متجاوز ہو چکی تھی، آپ رسول اولو العزم ہو چکے تھے، اور کوہ طور پر احکام مل چکے تھے!

احادیث کے سلسلۂ رواۃ پر اگر غور کیا جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ قصہ از قبیل اسرائیلیات ہے، روایات سے تھوڑی دیر خالی الذہن ہو کر اگر آیات قرآنی کا مطالعہ آثار قدیمہ کے انکشافات

اور جغرافیہ و تاریخ کی روشنی مین کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ واقعہ کی صورت ہی کچھ اور تھی،

حضرت موسٰیؑ کو فرعون کی ملکہ نے جو مومنہ تھی، اولاد کی طرح پرورش کیا تھا، آپ کی تعلیم و تربیت مدینۃ الشمس (ہیلیو پولس) مین ہوئی، جو اسی زمانہ مین جب کہ نہ حکمائے یونان تھے، نہ زرتشت نہ گوتم ایک مشہور یونیورسٹی تھی، جہان علوم و فنون کے ماہر جو عمومًا کاہن ہوتے تھے تعلیم دیتے تھے، انجیل اعمال حواریین باب ، مین لکھا ہی، کہ حضرت موسٰیؑ نے مصریون کے تمام علوم کی تعلیم پائی تھی، اور کلام اور کام مین قوت والے تھے" جوانی مین آپ کو فرعون نے حبشیون کے ملک اتھوپیا کی طرف بھیجا تھا جہان آپ نے باغیون کو زیر کیا، اور وہین قرابت بھی کر لی، اس ملک کی سرحد سوڈان سے ملی ہوئی ہے جہان دریائے نیل کی دو شاخین جو بحر ابیض اور بحر اسود کے نام سے مشہور ہین، بمقام خرطوم مل جاتی ہین (جیسے گنگا اور جمنا الہ آباد مین) یہی وہ مقام ہی جس کو قرآن مین مجمع البحرین کہا گیا ہے، اسکی تصدیق او امضی حقبا سے بھی ہوتی ہے، اگر مجمع البحرین سے جانب جنوب دریائے نیل کے منبع کی طرف بڑھین تو سیکڑون کوس تک برسون انسان چلتا رہے، اور راستہ ختم نہ ہو،

ہم اوپر لکھ چکے ہین، کہ فرعون اخین اتون نے اپنا دار السلطنت تھیبس سے جانب جنوب تین سو میل قائم کیا تھا، اور جابجا نئے معبد بنوائے تھے، جو عمومًا دریا کے کنارے پر فضا مقامات مین ہوتے تھے، ان معبدون مین اس کے عہد کے موحدین مشغول عبادت رہتے تھے، (جیسے آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے عرب مین ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل قس بن ساعدہ وغیرہ وغیرہ تھے) ان موحدین مین وہ بزرگ بھی شامل ہین، جو حضرت موسٰیؑ کو ملے، اور جن کے متعلق قرآن مین و علمناہ من لدنا علمًا وارد ہوا ہے، اور حضرت موسٰیؑ بعثت سے پیشتر عالم جوانی مین جو تحصیل علم کا زمانہ ہی، ان بزرگ سے ملاقی اور مستفید ہوئے، حضرت موسٰیؑ اس وقت جلد مشتعل ہو جانیوالے قوی پنجہ جوان تھے، مشیت الٰہی یہ تھی، کہ قبل اس کے کہ آپ فرعون اور اس کے جنود کے سامنے

جنگِ آزادی کے لئے بغیر ایک قطرۂ خون بہائے ہوئے کھڑے ہون، دینی مصلحت بینی سیکھین، اور جلد بازن
نہ ہون، ساتھ ہی غور و تامل صبر و تحمل اور کتمانِ راز کا سبق سیکھین، کشتی کا توڑنا، لڑکے کا قتل، اور
دیوار کا بغیر اجرت لئے بنا دینا وہ نظارہ تھا، جو مذکورۂ بالا صفات حاصل کرنے کے لئے عملی تعلیم تھی،
خضر کا اگرچہ احادیث مین نام آیا ہے، اور حضرات صوفیہ کا اُن سے فیض حاصل کرنا بھی مذکور ہے،
نظامی سکندر نامہ مین "مرا خضر تعلیم گر بود دوش" فرما گئے ہین، لیکن قرآن مین خضر کا نام نہین ہے، حضرت
موسیٰؑ والے بزرگ کا نام جو بھی ہو وہ عارف موحد تھے، اور علم لدُنی سے فیضیاب تھے، اکثر علما اور
حضرات صوفیہ قائل ہین کہ خضر اب تک زندہ ہین، لیکن اکثر محدثین خصوصًا بخاریؒ اس کے منکر ہین،
جن کی تائید مین حافظ ابن کثیر نے دو عمدہ دلیلین پیش کی ہین، اول نص قرآنی وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا
لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ، دوم حدیثِ نبوی کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ (زمین پر) زندہ ہوتے،
تو ان کو میری متابعت کے سوا چارہ نہ تھا، اب اگر خضر عہدِ رسالت مین زندہ تھے، تو حاضر ہو کر زمرۂ
اصحاب مین شامل ہوتے، حضرات صوفیہ کا کسبِ فیض ہمارے نزدیک یون ہے، کہ عالمِ روحانیات
مین غیب و شہادت کے مجمع البحرین پر مستفید ہوئے ہون، اور یہ کچھ بعید نہین ہے،

اے کہ انکار کنی عالمِ درویشان را　　تو چہ دانی کہ چہ سودا و سر است ایشان را

ارض القرآن حصۂ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل،
اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب
پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت ۱۲؎ طبع دوم،

"منیجر"

بنو امیہ کے عہد مین نثر کا سرمایہ[1]

از
ازجناب مسعود حسن صاحب شمسی متعلم ام اے کلکتہ یونیورسٹی

"یہ مضمون بہت تشنہ ہے، اموی عہد کا نثری سرمایہ اس سے کہین زیادہ ہے، جتنا لائق مضمون نگار
نے دکھایا ہے، خصوصًا حدیث کے بہت سے مجموعے اس عہد مین مرتب کئے گئے، تاریخ کے علاوہ
فقہ اور نحو پر کتابین لکھی گئین لیکن انگریزی زبان کے ایک نوجوان طالب علم کی عربی علم و
ادب سے یہ دلچسپی قابلِ قدر ہے، اسلئے اسکو شائع کیا جاتا ہے،　　"م"

عربی ادب کی تاریخ سے جن لوگون کو تعلق رہا ہے، وہ جانتے ہین، کہ قدیم عربون نے نثر نگاری
کی طرف کوئی خاص توجہ نہین کی حقیقت یہ ہے کہ عرب جیسے ملک مین جہان کے باشندے باستثنائے چند
نہ لکھ سکتے تھے، اور نہ پڑھ سکتے تھے، نثر کے علمی و ادبی اغراض مین استعمال کا موقع ہی نہ تھا، یہ بھی ہو سکتا
ہے، کہ ریگستان کے یہ غیور باشندے نظم کے سوا کسی اور صنفِ ادب کو اظہارِ جذبات کے لئے استعمال کرنا
اپنی توہین سمجھتے ہون، اسی بنا پر عربی زبان مین نثر کی پہلی کتاب قرآن مجید قرار دیگئی ہے، قرآن مجید سے
پہلے نثر نگاری کے کچھ منتشر نمونے ضرور پائے جاتے ہین، مگر یہ قلیل سرمایہ بھی جو ہم تک پہنچا ہے وہ

---

[1] اس مقالہ کی تیاری کے لئے مین اپنے استاذ جناب ڈاکٹر زبیر صدیقی ام اے، پی ایچ ڈی، اور جناب ڈاکٹر اختر امام
ام اے، پی، ایچ، ڈی، کا مرہون منت ہون جنھون نے نہ صرف مسودہ پر نظر ثانی کرنیکی زحمت گوارا فرمائی،
بلکہ بعض قیمتی مشورے بھی عنایت کئے، اصل مضمون انگریزی مین لکھا گیا تھا، مین نے بعد مین اس کا ترجمہ کیا،

تحریری نہین، بلکہ زبانی،

اسلام سے پہلے قصہ گو اور افسانہ خوان عربون کا تذکرہ سننے مین آتا ہے، جنھین وہ اپنی زبان مین سامر[1] کہا کرتے تھے، اس سلسلہ مین نضر بن حارث کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، وہ یمن کے قدیم بادشاہون کی کہانیان اوران کے حالات سنایا کرتا تھا، ان حکایتون اور افسانون کو وہی حیثیت حاصل تھی، جو ہمارے یہان جنون، بھوتون اور پریون کی کہانیون کو حاصل ہے، نثر کا کچھ سرمایہ راویون کے ذریعہ بھی جمع ہوا، جو قصیدہ سناتے وقت اس کی شانِ نزول، اسکی تلمیحات اور اس سے متعلق بے شمار کہانیان سنانا بھی ضروری تصور کرتے تھے، یہ چیزین آج تاریخی، ادبی اور جغرافیائی حیثیت سے ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہین، اس زمانہ مین خطابت کا بھی عام رواج تھا، اور خطیب کو شاعر کے بعد بڑا اقتدار حاصل تھا، زمانہ جاہلیت کے یہ خطبات اور خصوصاً قس بن ساعدہ اور سحبان بن وائل کے خطبے اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے، اب تک محفوظ ہین، اس سلسلہ مین ان بیشمار کہاوتون اور ضرب الامثال کا تذکرہ کردینا بھی ضروری ہے، جو عہد جاہلیت مین رائج تھے، اور جنھین بہت زمانہ[2] کے بعد ابو ہلال عسکری المتوفی ۳۹۵ھ نے جمہرۃ الامثال مین، میدانی المتوفی ۵۱۸ھ نے مجمع الامثال مین اور مفضل ضبی المتوفی ۱۷۰ھ نے کتاب الامثال مین جمع کیا،

جب اسلام نے عربون کی زندگی کے ہر پہلو مین ایک خوشگوار انقلاب پیدا کیا، تو یہ توقع ہوئی کہ نثر کی قسمت بھی جاگ جائے گی، خصوصاً قرآن مجید کے نزول نے جو عربی نثر نگاری، اور ادب و انشاء

---

[1] یہ ایک جاہلی شاعر اور بعض حضرات کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہؓ کا شعر ہے،

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا   انیس ولم یسمر بمکۃ سامر

[2] ابن ندیم نے ایک بہت قدیم مجموعے کا تذکرہ کیا ہے، جسے الکلابی نے مرتب کیا تھا، مگر آج اس کا کوئی نسخہ موجود نہین ہے، الکلابی یزید بن معاویہ کے زمانہ مین گذرا ہے،

کا بلند ترین اور فصیح ترین نمونہ ہے، یہ امید کہ بلند پایہ نثر نگارون کی ایک کثیر تعداد پیدا ہوجائیگی اور بھی قوی ہوگئی، مگر بدقسمتی سے خلافت راشدہ کے اختتام سے پہلے کوئی باقاعدہ خدمت انجام نہ پاسکی، اس وقت تک نثر کا سرمایہ چند ہزار[1] حدیثون، کچھ تحریری احکامات اور معاہدات، آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ کی تقریرون، اورآپ کے مختلف خطوط کے سوا کچھ نہ تھا، اسکی وجہ یہ تھی، کہ اس دور مین مسلمانون کی مذہبی سرگرمی نے جو دوسری صدی ہجری مین اپنی پوری طاقت کے ساتھ ظاہر ہوئی عربی نثر کو قومی پیمانہ پر نشوونما پانے کا موقع نہین دیا، دوسرے ان دنون علما عام طور پر علم کو سفینون مین جمع کرنے کے بجائے سینون مین محفوظ رکھنا پسند کرتے تھے،[2] مذہبی اور جنگی مصروفیتون کے علاوہ عام سیاسی بے چینی بھی بڑی حد تک اس راہ مین حائل رہی، اگر ایک طرف حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا عہدِ حکومت فتنہ ارتداد اور غیرملکی فتوحات سے پُرشور رہا، تو دوسری طرف حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا زمانہ خانہ جنگی سے پُرآشوب رہا، اسلئے عربی نثر کی تاریخ صحیح معنون مین بنی امیہ کے دورِ حکومت سے شروع ہوتی ہے،

بنو امیہ کی سلطنت جیسا کہ دنیا جانتی ہے، اگر غیر اسلامی نہ تھی، تو خالص اسلامی بھی نہ تھی، اس لئے مذہبی علوم و فنون کو جن مین سے بعض کی بنیاد آنحضرت صلعم کی حیات ہی مین پڑ چکی تھی، حکومت کی سرپرستی نصیب نہ ہوسکی، اس مین شک نہین کہ اس دور مین چند جلیل القدر علما (مثلاً تفسیر مین مجاہد اور ابن عباس، حدیث مین امام زہری، عاصم بن سلیمان اور شعبہ بن حجاج، فقہ مین عبدالرحمن اوزاعی

---

[1] تاریخ ادبیات عرب از نکلسن صفحہ ۲۴۰ [2] قاضی ابن عبد البر نے جامع بیان العلم مین امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے:-

کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء،

ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہین کرتے تھے، یہان تک کہ امرا نے ہم کو اس پر مجبور کردیا،

وغیرہ پیدا ہوئے، مگر ان بزرگون نے جو کچھ کیا، انفرادی طور پر، یہی وجہ ہے کہ یہ بزرگ کوئی بڑا تحریری سرمایہ چھوڑ نہ سکے، اموی دربار مین تاریخ کو بڑا عروج نصیب ہوا، اور یہ اخیر زمانہ تک مقبول بنی رہی، مگر تاریخ سے یہ دلچسپی علم و ادب کی خدمت کے جذبہ سے نہ تھی، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا، کہ صاحبِ اقتدار جماعت تخت و تاج کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی سیاسی اور ملکی تدبیرون سے واقف رہے، اور یہ صلاحیت صرف تاریخ کی کتابون، اور اگلے فرمانرواؤن کی سیرت کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی تھی، مسعودی کی روایت کے مطابق خاندان بنی امیہ کے بانی حضرت امیر معاویہؓ کا یہ معمول تھا، کہ وہ روزانہ رات کا ایک ثلث مورخین کی صحبت مین گذارتے، یہ مورخین انھین عرب و عجم کے بادشاہون کے حالات، ان کی سلطنت، ان کی لڑائیون، ان کے طریق حکومت، اور ان کی سیاسی چالون کی تفصیل سنایا کرتے، پھر وہ کچھ دیر آرام فرماتے، اور جب ایک ثلث رات باقی رہ جاتی، تو علماء کی ایک دوسری جماعت آتی،[1] لاطینی اور یونانی کتابین ان کے ساتھ ہوتین، اور وہ دنیا کے بڑے لوگون مثلاً جولیس سیزر، ہنیبال اور سکندر کی سوانحمریان عربی زبان مین ترجمہ کرکے سناتے، امیر معاویہؓ کو عرب کے قدیم بادشاہون کے حالات سے اس قدر دلچسپی تھی، کہ انھون نے یمن کے ایک عرب عبید بن شریہ کو اپنے دربار مین بلایا، اس سے جنوبی عرب کی روایتون اور افسانون کے متعلق سوالات کئے، اور ان کے جوابات کو ایک جگہ جمع کرکے ایک کتاب تیار کرائی،[2] یہ کتاب جس کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضین تھا، اور آج دنیا سے ناپید ہے، مسعودی کے زمانہ مین بڑی مقبول تھی،[3] عرب کی قدیم تاریخ سے متعلق بہت سی روایتین جنھیں مسلمان مورخین عام طور پر اپنی کتابون کی ابتداء مین درج کرتے ہین، ایک فارسی النسل یمن کے باشندے وہب بن منبہ المتوفی ۱۱۴ھ سے

---

[1] مروج الذہب مسعودی [2] الفہرست، ابن ندیم، فلوگل ایڈیشن ص ۸۹ [3] مسعودی جلد ۴ ص ۸۹ کئی سال ہوئے وہب بن منبہ کی ایک کتاب التیجان فی ملوک حمیر اور عبید کی اخبار عبید یکجا حیدرآباد دکن سے شائع ہو گئین،

منقول ہین، ابن ندیم[1] نے ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی کے متعلق لکھا ہے، کہ انھون نے مختلف موضوع پر متعدد کتابین لکھین، وہ حضرت علیؓ کے طرفدار تھے، ان کی تصنیف "ذکر مقتل سیدنا و مولانا الحسین بن علیؓ" جسے کئی سال ہوئے ولہاسن نے اپنے اہتمام سے شائع کیا، شہادتِ کربلا پر معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے، عوانہ بن الحکم الکلبی بھی اسی زمانہ کے مشہور اہلِ قلم ہین، انھون نے ابن ندیم کے بیان کے مطابق دو کتابین تصنیف کین، ایک کا موضوع عام تاریخ، اور دوسرے کا حضرت امیر معاویہؓ کے حالاتِ زندگی، اور بنی امیہ کی تاریخ تھی، علم الانساب اگرچہ درحقیقت اسی کی شاخ ہے لیکن عربون نے ہمیشہ اسے ایک علحدہ اور مستقل فن تصور کیا، سب سے پہلا شخص جس نے اس فن پر کتاب لکھی وہ زیاد بن ابیہ ہے، جسے امیر معاویہؓ نے اپنا سوتیلا بھائی بنا کر اپنے طرفدارون مین شامل کر لیا تھا، کہا جاتا ہے، کہ اس نے اپنے نسب نامہ پر ایک رسالہ لکھا تھا، کیا عجب ہے کہ اس مین اوس نے اپنی پیدائش کے متعلق جو خبرین مشہور تھین، ان کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہو،[2] اس دور کے اور دوسرے ماہر انساب دغفل، نجر بن حارث اور لسان الحمرہ ہین، لیکن ان لوگون کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کا کسی جگہ پتہ نہین چلتا،

ان کے علوم کے علاوہ دوسرے دینی و دنیوی علوم کی طرف یک قلم عدم توجہی نہین برتی گئی، امیر معاویہؓ کے بعد عبد الملک بن مروان نے جو ۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، مختلف اسلامی موضوع پر علماء سے کتابین لکھائین، سعید بن جبیر نے اسی کی تحریک پر قرآن مجید کی تفسیر لکھی، چنانچہ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر عام طور پر مشہور ہے، وہ دراصل ان ہی کی تصنیف ہے،[3] حضرت عمر بن عبد العزیز کے متعلق ایک عام غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے، کہ ان کا زمانہ علم و ادب کے لئے ناخوشگوار رہا، یہ صحیح ہے، کہ ان کے دربار مین مبتذل شاعری کے لئے کوئی جگہ نہین تھی، لیکن اس حقیقت سے کون انکار

---

[1] ایضاً ملاحظہ فرمائیے فوات الوفیات از کتبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ [2] الفہرست، ابن ندیم، فلوگل ایڈیشن صفحہ ۹۰ [3] میزان الاعتدال للذہبی ترجمہ عطاء بن دینار،

کرسکتا ہی، کہ انھون نے تمام ممالک مین حدیث وسنن کے جمع کرنے اور ترتیب دینے کا حکم بھیجا، چنانچہ سعد ابن ابراہیم نے جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے، دفتر کے دفتر لکھ کر تمام ممالک مین بھیجے، ابوبکر بن محمد انصاری کو جو بڑے پایہ کے محدث اور امام زہری کے استاد تھے، حدیثون کے جمع کرنے کا خاص شوق تھا[1] حضرت عائشہ رض کی اکثر روایتین فقہ اور عقائد کے اہم مسائل سے تعلق رکھتی ہین، اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو خاص طور پر جمع کرنے کا اہتمام کیا، عمرہ بنت عبدالرحمن ایک بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں، اور چونکہ حضرت عائشہ رض کی آغوشِ تربیت مین پلی تھین، اس لئے ان کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، انھون نے ابوبکر بن محمد کو عمرہ کے پاس بھیجا کہ حضرت عائشہ رض کی تمام روایتون کو ان سے لیکر قلمبند کرین،[2]

امام زہری سے پہلے فن مغازی کی طرف جس نے بعد مین ترقی پا کر آنحضرت صلعم کے سوانح حیات کی شکل اختیار کی، اس قدر توجہ نہین کی گئی جس کا وہ محتاج تھا، اب تک اس سلسلہ مین جو کچھ کیا گیا، وہ یہ تھا کہ غزوات نبوی کے خاص حلقے قائم کئے گئے، جن مین اس فن کے علما طلبہ اور عوام کے سامنے تقریرین کیا کرتے تھے، چنانچہ عمرو بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ کے متعلق یہ تصریح موجود ہے، کہ وہ دمشق کی جامع مسجد مین لوگون کو مغازی اور مناقب کا درس دیا کرتے تھے،[3]

سب سے پہلے جس نے مغازی کے فن کو ترقی دی، اور اسے عام مقبولیت بخشا وہ عہد بنی امیہ کے مشہور محدث محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہین، وہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ تھے، فقہ وحدیث مین ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، ان کی تصنیف کتاب المغازی جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف مین لکھا ہی، فن مغازی

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸، [2] تہذیب التہذیب لابن حجر، حدیث اور مغازی کے سلسلہ مین بعض واقعات اور بعض حوالے مین نے علامہ شبلی رح کی سیرۃ النبی کے مقدمہ سے لئے ہین، مجھے افسوس ہی کہ ہر جگہ الگ الگ اس کا حوالہ دینا میرے لئے ممکن نہ تھا [3] تہذیب التہذیب لابن حجر،

کی پہلی کتاب تھی، اور غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایما سے لکھی گئی تھی، امام زہری اس حیثیت سے بھی ممتاز ہین، کہ اموی دربار مین ان کی بڑی قدر ومنزلت ہوئی، اور انھون نے عبدالملک کے زمانہ مین قضا کا منصب قبول کیا، ۱۲۴ھ مین آپ کا انتقال ہوگیا، ان کے شاگردون مین کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے، جنھون نے مغازی کو درجۂ کمال تک پہنچایا، امام زہری کے معاصر عبدالرحمن عامری نے فقہ مین ایک بڑی اچھی کتاب "موطا" تصنیف کی جس کی شرح امام زرقانی نے شرح الموطا کے نام سے کی، اس سلسلہ مین اسد ابن موسی المتوفی ۲۱۲ھ کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہی جنھون نے زہد وتصوف پر ایک بڑی مفید کتاب کتاب الزہد لکھی، عہد بنی امیہ کے ممتاز نثر نگارون کی فہرست نامکمل رہجائیگی اگر دو اور اہل قلم کا تذکرہ نہ کیا جائے، یہ ابن سیرین اور ان کے شاگرد حضرت حسن بصری ہین، ابن سیرین نے خوابون کی تعبیر کے متعلق ایک بڑی دلچسپ کتاب لکھی جس کا نام کتاب الجوامع ہے،[1] حسن بصری تصوف کے علمبردار ہین، ان کے چھوٹے چھوٹے خطبے[2] اور ان کے مذہبی اقوال اس زمانہ کی نثر نگاری کے بہترین نمونے ہین، استاد اور شاگرد دونون نے اسی سال یعنی ۱۱۰ھ مین وفات پائی، جو جریر اور فرزدق کی موت کی وجہ سے عربی ادب کے لئے "عام الحزن" کہے جانے کا مستحق ہی،

بنو امیہ کے زمانہ مین علوم عقلیہ کی تحصیل کے لئے جو کوششین کی گئین ان پر نظر ڈالئے، تو خالد بن یزید المتوفی ۸۵ھ کا نام بہت نمایان نظر آتا ہی،[3] خالد کو جب مروان کے مقابلہ مین حکومت کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی، تو اوس نے اپنی توجہ علم وادب کی طرف مبذول کی، اسے ہیئت اور کیمیا سے خاص طور پر دلچسپی تھی، اسکندریہ ان دونون علم کیمیا کے لئے بڑا مشہور تھا، چنانچہ اس نے ایک رومی پادری کو جس کا نام مریانوس

---

[1] ابن خلکان وابن ندیم [2] ابن الجوزی، سیرۃ صفحہ ۶-۱۲۱، ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۲۸، [3] پروفیسر جولیس رسکا نے اپنے ایک رسالہ مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہی، کہ خالد نے کیمیا پر کوئی کتاب یا کوئی رسالہ نہین لکھا جو کتابین اس کے نام سے مشہور ہین، وہ قرونِ وسطی مین لکھی گئی تھین، اور شاہزادے کی طرف بعد مین منسوب کر دیگئی تھین

تھا، اور جو وہان مقیم تھا، بلایا، اور اس سے کیمیا کی تعلیم حاصل کی، چند دنون کے بعد اوس نے ایک اور عالم کو جس کا نام اسٹیفن (اسطفان) بتایا جاتا ہی کیمیا پر متعدد کتابین عربی مین ترجمہ کرنے کا حکم دیا، اوس نے نہ صرف قبطی اور یونانی کتابون کا عربی مین ترجمہ کرایا، بلکہ خود بھی اس موضوع پر چار رسالے لکھے[1] اسی طرح جیسا کہ مصنف الفہرست نے اپنی کتاب مین درج کیا ہی، علم طب پر بہت سی کتابین خصوصًا شامی یہودیون کے قلم سے عربی مین منتقل ہوئین، مگر افسوس ہے، کہ ان مین سے ایک بھی ہم تک نہین پہونچ سکی، ایک شامی طبیب ماسرجویہ یا ماسرجس نے جو بصرہ مین مقیم تھا، اور مروان بن حکم کا ہمعصر تھا، اہرون بن اعیون کی کتاب قانون (کناش) کا جو طب پر لکھی گئی تھی، شامی سے عربی مین ترجمہ کیا[2]

مین نے اگلے صفحات مین جو مختصر نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا ہی، وہ بڑی تفصیل اور اضافہ کا محتاج ہے لیکن اس سے یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہی کہ نثر کی بنیاد گو مختصر پیمانہ پر لیکن مضبوط اموی فرمانرواؤن کے اوائلِ حکومت ہی مین پڑ چکی تھی، جب آل عباس برسراقتدار ہوئے، تو ان کے لئے یہ چیز بڑی مفید ثابت ہوئی، اور اسی پر انھون نے ایک شاندار عمارت تیار کی، ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی بدیع الزمان اور حریری کے مقامات، طبری کی تاریخ الرسل والملوک اور مسعودی کی مروج الذہب بلاشبہہ عربی ادب مین نثر کے بے نظیر شاہکار ہین، لیکن یہ ماننا پڑے گا، کہ بنوامیہ کی کوششون کے بغیر اس قدر مختصر مدت مین ایسے شہ پارے اور اتنی کثیر تعداد میں شاید وجود مین نہ آ سکتے،

---

[1] چارون رسالون کے نام یہ ہین: (۱) کتاب الحرارات، (۲) کتاب الصحیفۃ الکبیر (۳) کتاب الصحیفۃ الصغیر (۴) کتاب وصیتہ الی ابنہ فی الصنعۃ، ملاحظہ فرمایئے، الفہرست فلوگل ایڈیشن صفحہ ۳۵۴،

[2] الفہرست ابن ندیم، فلوگل ایڈیشن صفحہ ۲۹۷،

بیدل اور تذکرۂ خوش گو

از

جناب قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر

(لسلسلۂ مئی سنہ ۴۲ء)

سفینۂ خوشگو کی تیسری جلد میں خوشگو کا ترجمہ نہیں لیکن دوسرے شعرا کے تراجم میں ضمنًا خوش گو نے اپنے حالات لکھے ہیں، اُس کا وطن متھرا تھا[1]، سالِ وفات معلوم نہ ہو سکا، لیکن قرائن کہتے ہیں کہ گیارھویں صدی کے اواخر یا بارھویں کے اوائل میں پیدا ہوا ہو گا، سرخوش[2] اور گلشن[3] کی شاگردی کا اُس نے اقرار کیا ہے، لیکن باوجود اس غیر معمولی عقیدت کے جو اُسے بیدل سے ہے، اُس نے تصریح الفاظ میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ میں بیدل[4] کا شاگرد ہوں، اس سے خیال ہوتا ہی کہ وہ باقاعدہ شاگرد نہ تھا، سفینۂ خوشگو کی تیسری جلد جس میں معاصرین کے حالات ہیں، بہت کمیاب ہے، اور ہندوستان کے

---

[1] سفینۂ ترجمۂ بے کس، قدرت اللہ شوق نے بندرابن (ضلع متھرا) وطن لکھا ہے [2] "راقم خوشگو اول در عمر چہاردہ سالگی مشقِ خود را بہ نظرِ اصلاحش می گذرانید از روے کمال عنایت تخلص خوشگو عنایت فرمود" "بر فقیر حقوقِ پدرانہ دارد" ترجمۂ سرخوش [3] گلشن کی "بندگی خاص و شاگردی" کا اعتراف کیا ہے، ان کا ترجمہ اس بیت سے شروع ہوتا ہے، ؎

گلشنِ معنی جناب شیخ سعد اللہ ما   قبلۂ ما، میرِ ما، استادِ ما و شاہِ ما

[4] آرزو نے جن سے اصلاح لینے کا خوشگو کو اقرار ہے، مجمع النفائس میں لکھا ہے:-

"استفادہ بسیار از بیدل و سرخوش و گلشن نمود، از مدت بست و پنج سال بہ این ہیچمدان ربط کلی بہم رسانیدہ و این عاجز ہم در تربیت او بہ تقصیر از خود راضی نہ شود و نیست"

کسی مشہور کتب خانے میں کتبخانہ مشرقیہ بانکی پور کو چھوڑ کر، اس کا کوئی نسخہ نہیں، نسخۂ بانکی پور کی کتابت سنہ ۱۱۸۲ھ میں ہوئی ہے، اور غالباً اس کا منقول عنہ کوئی ایسا نسخہ تھا جو میر عبدالولی عزلت کی نظر سے گذر چکا تھا، کاتب نے ان حواشی کو بھی نقل کر لیا ہے جو عزلت نے لکھے تھے، یہ صحیح نہیں کہ سفینۂ خوشگو عشرۂ ششم میں تمام ہوا ہے، اس میں بعض واقعات اس کے بعد کے بھی درج ہیں[1]،

جلد ثالث میں بیدل کے حالات اور ان کی طرف اشارات دوسرے شاعروں کے تراجم میں بھی ملتے ہیں

"مربیان بیدل، اعظم شاہ، نقاد سخن و قدردان این فن، بیدل[2]، راسخ، سالم، شہرت شعرائے درگاہ او بودند و بارہا بہ صلہ ہائے گراں مند امتیاز یافتہ اند ایشاں سرخوش در جنگ نامہ احوال او گفتہ و مرزا بیدل صاحب بریں دو بیت صاد کردہ اند:

زشمشیر دہنے نہ می داشتے — کہ ابروے معشوق پنداشتے

نبود از سیاہی فوجش ہراس — کہ گردے خط و خال خوباں قیاس"

خوشگو نے تاریخ ذیل اعظم شاہ کے نام لکھی ہے "مرہٹا ہٹا بھاگیا" لیکن اس سے ۱۰۹۱ نکلتا ہے، "مرہٹا" کو ہائے مختفی سے لکھیں تو ۱۰۹۵ بر آمد ہوگا، خوشگو کے قول کے مطابق[3] ۱۰۹۴ نکلنا چاہئے، یہ دو شعر بھی اعظم شاہ کے ہیں،

غمے بشکست بروئے اجل فضو — نیست سرائے سینۂ ما خانۂ نزو نیست

راہ نگاہ راز من از ہمہ باب بستہ — روزنۂ نظارہ را شب ہٴ خواب بستہ

عاقل خاں رازی تخلص عسکری نام تھا، صاحب مثنویات و دیوان، آخر عمر میں صوبہ دار شاہجہان آباد

---

[1] وفات تحقیق عظیم آبادی [2] کہیں خلاصہ اور کہیں اصل الفاظ نقل ہوئے ہیں، تعظیمی الفاظ اکثر نکال دیئے گئے ہیں، [3] اعظم شاہ کی ایک فارسی تاریخ اعظم جہاد کن، بھی سفینہ میں ہے، اس سے ۱۰۹۴ نکلتا ہے [4] مآثر الامراء میں ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱)

"خود را یکے از اغواث و اقطاب زمانہ می دانست، حضرت میرزا بیدل از صحبت وے ایں ہمہ سامان استادی و تصوف بہم رسانید، و ہرگاہ شعر میرزا را احسنت و تحسین می فرمود میرزا بری خاست و تسلیم بجا می آورد، این معنی از روے حرمت و بزرگی بود نہ از راہ شان امارتش، و وے مرید شیخ برہان شطاری برہان پوری بود، چناں چہ ملفوظات شیخ بزرگوار خود نوشتہ"،

سال وفات ۱۰۸۷ھ[1]، بیدل[2] نے ایک غزل لکھی ہے جس کے ہر مصرع سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

شکر اللہ خاں، خاکسار تخلص، سادات خواف سے تھے اور عاقل خاں رازی کے داماد، صاحب دیوان ہیں اور شرح مثنوی مولوی کے مصنف، عالمگیر کے زمانہ میں "گرد شاہجہاں آباد" کے فوجدار تھے، وفات سنہ ۱۱۱۲ھ[3]، "شکر اللہ خاں، شاکر خاں، کرم اللہ عرف عاقل خاں پسرانش مدت مدید بعد پدر خود بودند و خدمت گاری میرزا بیدل صاحب می نمودند"،

عاقل خاں، عاشق تخلص، کرم اللہ، خلف شکر اللہ خاں و دختر زادہ عاقل خاں رازی، بیدل کے صاحب دیوان شاگرد تھے، اور ان کے طرز خاص، اور انہی کی زبان میں شعر کہتے تھے، "... در جمیع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰) کہ والا شاہیان عالمگیری سے تھا، دوسرے عہدوں پر مامور رہنے کے بعد ۲۲ سنہ جلوس میں بخشی گری تن تھا، اور سال ۲۴ میں صوبہ دار شاہجہان آباد ملی، شاہ برہان الدین راز الٰہی سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، رازی تخلص کی یہی وجہ ہے۔ [1] مآثر الامراء میں ۱۰۹۶ھ ہے لیکن بیدل کے کلیات سے بھی ۱۰۸۷ھ ثابت ہوتا ہے [2] ایک نہیں دو غزلیں ایسی لکھی ہیں، ایک غزل کے بعض مصرعے خوش گو نے بھی نقل کئے ہیں، یہ ہے،

ولی پیوند سخن بجاں نماند — تکیہ گاہ صاحب عرفاں نماند

رفت از آفاق لطف عدل و داد — برکت دیں قدوۂ انساں نماند

قطب اقطاب حقائق بار بست — سالکے در کشور امکاں نماند

مجمع اسناد بے شیرازہ شد — رابطہ اقلیم ہندستاں نماند

ہادی انوار لطف از دیدہ رفت — مہدی جم جاہ عاقل خاں نماند

[3] آزاد نے سرو آزاد میں سال وفات ۱۱۰۸ھ لکھا ہے، اس کی تحقیق آئندہ کیجائے گی،

عہد بہادر شاہ میں دیوان صوبۂ لاہور تھے،

شاگردانِ آں حضرت رتبۂ خلافت داشت" عہد بہادر شاہ میں دیوان صوبۂ لاہور تھے،

"عزلتے در شکوۂ دیر نویسی خطوط بہ خدمتِ مرزا فرستادہ بود، آں جناب بعد مطالعہ فرمود

کہ فکر عاشق ہمہ معشوقانہ افتادہ، و او خود پایۂ فکر از ما ہم گذرانیدہ، لیکن چوں خاطرش عزیز است

موافق استدعایش اصلاح بلفظے در مطلع او ہم باشد و مطلع این ست،

زمانہ می کند آں آشنائے ما   از ما دلش بُرست کہ خالی ست جائے ما

مرزا صاحب بجائے لفظ آشنائے ما، بے وفائے ما رسانیدہ"

عین جوانی میں ۱۱۴۴ھ میں انتقال کیا، مرزا وفات کی خبر سے دیر تک اشکبار رہے،

"نواب ذوالفقار خاں کہ مبلغ دو صد اشرفی بہ خدمتِ میرزا نیاز گذرانیدہ بود، ہمہ آں را بہ

عاقل خاں بخشیدہ بودند کہ دراں وقت از طرف خرج معسر بود"

منعم خاں خاناں، منعم تخلص، بہادر شاہ کے وزیر کل، الہاماتِ منعمی، مکاشفاتِ منعمی وغیرہ کے

مصنف، وفات ۱۱۲۳ھ،

"وقتے ایں سہ بیت کہ تازہ گفتہ بود پیش میاں صادق، القا خواندہ، و ایشاں نقل کردند

بعد ازاں مرزا بیدل و دیگر شعرا بہ جواب آں پرداختہ اند،

بہ شد گر مفلسم فرماں روائے ہفت اقلیم   حروفِ سکۂ ام اما نہ بند زر و سیم

من از صحرا نوردانِ جنون قدر دگر دارم   بیاباں می کند از گرد باد انداز تعظیم

سپندم شعلہ ام سوز دل پروانۂ عشقم   کدامیں شمعِ محفل سوختن ہا کرد تعلیم

۱؎ اس کے متعلق مرزا کا کوئی خط رقعاتِ بیدل کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں نہیں ۲؎ ان کا دماغ خراب تھا، خوشگو لکھتا ہے: "فقیر مجمع شعرا دادہ بود بہ طلب ایشاں رفت، فرمودند شاعر ناصر علی بود، خود گذشت، بیدل قدرے دوق داشت، اہم مرد حالا شاعر منم، ایں زر کہ ناحق در ضیافت صرف می کنی، بہ من دہ کہ در شراب و شاہد صرف کنم،

نظام الملک، شاگرد بیدل، "ہرگاہ بہ خانہ مرزا تشریف می آورد، میرزا شرائط استقبال

بجا آوردہ، ہم دست شدہ، اندرونِ دولت خانہ می برد، و صحبت رنگیں می داشت، و از اقسام طعمہ

حلوائے بیضۂ مرغ بہ مذاقش گوارا افتادہ، بہ میرزا اکثر فرمائش آں می نمود، در وقت رخصت چوں

مرزائے مرحوم کتابے از قدما مثل کیمیائے سعادت و نفحات و دیگر ازیں عالم می گذرانید می گفت ایں

کتب ذخیرہ ہا در خانہ دارم، از تبرکات تصنیفات خود عنایت کنید و کتب و سفائن دست خط میرزا

با خود می برد"

معاصرین و احباب میرزا، سرخوش، فقیر خوشگو شاہ گلشن را وسیلہ برانگیخت کہ ایشاں را

بریں پایہ باید آورد کہ بہ خانۂ میرزا بیدل رفتہ صحبت دارند کہ ملاقات دو صاحب کمال فائدہ ہا دارد

چہ از مدت ممتد بنا بر بعضے اسباب در میانِ ایں ہر دو بزرگ جدائی بود، شنیدہ فرمود" ہوس تماشائے

جنگِ فیلاں دارید، ایں مطلع گفت و پیش ایشاں خواند،

از فضلِ حق ز ہر دو جہاں کم گرفتہ ایم   یک در گرفتہ ایم و چہ محکم گرفتہ ایم

فرمود فضل حق ہمہ جا می باید الا دریں بیت"

(خوشگو نے لکھا ہے کہ آرزو اس اعتراض کو غلط سمجھتے ہیں) سال وفات ۱۱۲۶ھ فضل دے ہو نکلتا ہے

ایزد بخش رسا، عزت کے شاگرد تھے، شیعہ سے سنی ہو گئے، سنی تخلص رکھا،

۱؎ سرخوش کلمات الشعرا میں لکھتا ہے، فقیر بہ اشارۂ میاں ناصر علی چند بیت ایشاں (یعنی بیدل) را از راہِ شوخی بہ پیش مصرع رسانیدہ مطلع برجستہ ساختہ، اگرچہ ایشاں شنیدہ محظوظ نہ شدند، از روئے غیرتے کہ تلامذۂ رحمن را باشد بد بردند، اما یارانِ منصف و عزیزانِ نازک فہم بسیار پسندند" حکایتے در محیط اعظم میرزا بیدل بہ یازدہ بیت تمام کردہ بودند، فقیر در دو بیت رباعی بہ فصاحت تمام درست نمود" سرخوش نے مرزا کی تعریف بھی کی ہے: "سرآمد سخنورانِ کامل" استاد فن امروز در شاہجہان آباد کوس رستمی می نوازد و دادِ سخنوری می دہد، در فقر و توکل بادشاہِ وقت خود" ۲؎ ان کے نام کے کئی خط رقعاتِ بیدل میں ہیں، جہاں تک مجھے یاد ہے، ایک صاحب نے بہارستانِ سخن کے حوالہ سے لکھا تھا کہ ناصر علی نے ایک شعر لکھا تھا جس پر انھیں بڑا ناز تھا، میرزا کے اشارے سے انکے شاگرد عبرت نے اس کا جواب لکھا تھا،

"بے دل کہ بااینان بسیار بود می فرمودند کہ روزے در اثنائے صحبت با وے گفتم کہ مارا در آخر تخلص شما لفظ "ی" نہ می آید، نظر بہ قامت دراز خود رسا مقرر سازید، قبول نمود و برخاست و تسلیم بجا آورد"

وفات ۱۱۱۹ھ،

میر محمد زماں راسخ، "با بے دل خیلے مربوط بودہ میر و مرزا و حاجی اسلم، سالم و حکیم شیخ حسین شہرت در گجرات بہ لشکر شاہی باہم ہم طرح بودہ اند" وفات ۱۱۰۷ھ،

ناصر علی سال وفات بے دل نے "رنگ ناز شکست[1]" سے نکالا، ۱۱۰۸ھ،

ناظم خاں فارغ قمی، ایران سے سندھ آئے، سندھ سے دہلی، ناظم خاں خطاب فرخ سیر نے دیا، شاہنامہ کے مصنف ہیں، اوائل عہد محمد شاہ میں وفات پائی،

حاجی محمد اسلم سالم، اعظم شاہ کے گجرات میں نوکر رہے تھے، اعظم شاہ کے مقتول ہونے کے بعد وارد دہلی ہوئے، بے دل سے اخلاص قدیم تھا، ملنے کے لئے آئے، شعر و سخن کی صحبت رہی، بیدل نے چند شعر سنائے، سالم نے کہا،

"این ہمہ شنیدم آن چہ دریں روزہا بر حاشیہ نوشتہ شد از آں ہم باید خواند و غرض ازیں داشت کہ ترقی فکر معلوم کند، مذاقش ازیں جا تصور باید کرد کہ با ہم چو مرزا بے دل ایں قسم حرف زدہ و مرزائے مرحوم در تمام عمر دیوان کسے بہ تلاش طلب نہ فرمودہ، مگر دیوان حاجی کہ چند شبانہ روز در مطالعہ داشت"

وفات ۱۱۱۹ھ،

نعمت خاں عالی، "مرزا بیدل ہرگاہ نامش بر زبان می آورد بہ خطاب حاجی ہجوی یاد می فرمود"

وفات[2] ۱۱۲۲ھ

آقا ابراہیم، فیضان، پسر آقا محمد حسین خاں، ناجی، "اکثر اوقات در خانۂ او مجمع شعرا می بود، میرزا بیدل

[1] کلیات میں نہیں [2] سال وفات میں اختلاف ہے،

صاحب را طلب می داشت، و ضیافت ہا می نمود صحبت ہائے رنگیں واقع می شد، فقیر مولف خوشگو ریزہ چین فیوضات آں مجلس است" وفات ۱۱۳۴ھ۔

مرزا محسن، ذوالقدر تخلص، اوائل در سرکار شجاع در فرقۂ سپاہیاں انتظام داشت، و با بے دل از صغر سن محشور و ہم طرح بود.... فقیر او را در کمال پیری کہ از نود متجاوز بود در مجلس مرزا مغفور دیدہ ام"

وفات عہد فرخ سیر میں ہوئی،

حسین شہرت، "با بے دل در سرکار اعظم شاہ یک جا گذرانیدہ" تاریخ وفات ۱۱۲۹ھ "آہ شہرت[1] مرد" سے نکلتی ہے،

خواجہ عبد اللہ ساقی، اعظم شاہی، از یاران بے دل،

عظمت اللہ بے خبر، "از صحبت وے بسیار محظوظ شدند" آزاد بلگرامی کے حوالہ سے بے خبر اور بے دل کی ملاقات کا حال لکھا ہے جو ید بیضا اور سرو آزاد میں موجود ہے،

تلامذہ و مستفیدان بے دل، سعی یاب خان شاعر، "از شاگردان رشید، ہمیشہ خدمت متعلقان بے دل می کرد، و بہ سبب او ہنگامۂ عرس گرم بود، مرزا بسیارش می خواستند، از روے عنایت عصا و شمشیرے بہ او بخشیدہ بودند، چنانچہ تا حال بہ دست داشت" وفات ۱۱۵۰ھ،

محمد احسن سامع، بیدل سے فیض یاب ہوئے، "علی التواتر بہ خدمت ایشاں می رسید و مستفید می شد" لیکن بعد وفات بے دل شاگردی شہرت کی وجہ سے بے دل کے حقوق شاگردی کو بالکل فراموش کر گئے،

گوربخش حضوری، "با بے دل سالہا صحبت داشتہ مشق سخن بہ کمال رسانیدہ"

میر محمد احسن، ایجاد[2]، اعظم شاہ کے لشکر میں تھے، "در آں جا با بے دل و سالم و گلشن صحبت ہائے

[1] خوشگو کہتا ہے کہ یہ مادہ تاریخ میرا ہے، لیکن یہی سرو آزاد میں بھی ہے [2] ایجاد کے نام کا خط رقعات میں ہے ان کی سفارش بھی ایک امیر سے کی تھی،

مستوفی داشتہ، شاگرد بے دل، تخلص بے دل کا عطیہ، وفات ۱۱۳۲ھ،

میر عبدالصمد سخن، "سخن[1] تخلص از بے دل یافتہ" اوائل میں شاگرد تھے، وفات ۱۱۴۱ھ

شیخ عصمت اللہ کامل، "از بے دل تخلص یافتہ، روزے جمدھر خردے خوش اسلوب از ساخت برہان پور نذر ایشان آورد، مرزا فرمود ترکیب ایں جمدھر بہ نشان برہان پور برہان قاطع ست کامل نظر بر رعایت دو ایہام دریں رعایت کردہ، تصدق گردید، وے چوں ہم راہ منصب داران قلیل البضاعت بسر می برد روزے .... در شکوۂ کم قراری خویش برخواند

فلاطوں گر بیاید می شود عاجز بہ تدبیرم کہ منصب آتشین داغے شد و جاگیر جاں گیرم

ہماں دم آں حضرت بجائے آتشیں، لفظ آتشک رسانیدہ اصلاح فرمودند" وفات عہد فرخ سیر

حافظ محمد جمال، تلاش، "از تخلص یافتگان بے دل، در عہد عالم شاہ دیدنش می شد، میرزا بیدل ازیں بیتش محظوظ بودند،

بروز عید ہر شاہ و گدا کم می کند خود را تو رفتی بر سمند ناز و من از خویشتن رفتم

احمد عبرت، مرزا بے دل را توجہ خاص با او بود، چنانچہ برکت انفاس متبرکہ ایشان بہ پایۂ خوش فکری رسیدہ، تخلص از آں جناب یافت" وفات ۱۱۳۵ھ، "از سانحۂ او تا دیرے اشکبار بودند"

سید مرتضیٰ قانع، "گویند شاگرد بے دل" میر معصوم وجدان، چندے شاگرد بے دل۔

محمد اشرف، حسرت، مہر علی بے کس، سری گوپال تمیز، محمد پناہ قابل، تلامذۂ بے دل،

محمد عطاء اللہ[2] عطا تخلص، "از ساکنان مرادآباد بود، طبع رسا داشتہ، در عہد مبارک محمد شاہی بہ توجہ ... رائے صاحب آنندرام مخلص بہ خطاب خانی سرفرازی یافتہ، از شاگردان مرزا بے دل بود طبعش بہ لطائف و ظرائف بیشتر میل داشت، ہرگاہ در بزم شریفش بار می یافت، مرزا بے مرحوم

۱؎ سخن کے نام کے خط بھی، رقعات میں ہیں ۲؎ نکات الشعرا میں بھی عطا کا ترجمہ ہے،

برائے خاطر او اشعار موحدانہ موقوف نمودہ، ہزلیات در میان می آورد، و اکثر می فرمود، استحقاق تتبع و تلمذ دیوان ہزلیات عطا دارد، وقتے مرزائے مغفور، قلم دانے و بیاضے کہ از اشعار منتخب خود نوشتہ بود بہ او عنایت فرمود، ایں رباعی در شکر آں گذرانید:

بے دل شہ اقلیم کمال ہر فن از گوشۂ چشم تا نظر داشت بہ من

از روے عنایت قلم دان و بیاض فرمود مرا وزارت ملک سخن

بہ ہمہ حال مرد عزیزے بود، حرکات نمکیں از و سر می زد و زینت مجلس ہا بود، روزے تاریخ وفات میرزا بے دل در مجمع شعرا می خواند و می گفت صفت، آں ست کہ در وزن خالق باری گفتہ ام:

عبدالقادر بے دل رفت، در سال ہزار و صد و سی و ششم در دارالخلافہ بہ رحمت حق پیوست، و از وفاتش رونق مجمع عرس میرزا برہم خورد و اشعارش کم بدست آمدہ ایں قدر بہ یاد ماندہ"

برخوردار بیگ فردی، شاگرد بے دل، وفات ۱۱۱۹ھ "در احمد آباد بہ سبب نوکری .... بادشاہی بسیار ماندہ"

شاہ گلشن، "اکثر بہ زبان می راند کہ در زمانے کہ ... بے دل صاحب سی ہزار بیت شدہ، در فکر سخن ترقی کرد، میاں ناصر علی از ترقی باز آمدہ بہ ہر قدر کہ نصیب گردد، در ساخت من تازہ بہ فکر آمدہ بودم، ایں ہر سہ دو ریکے بود، میرزا بے دل، تخلص من گلشن[1] بہ ایشاں، و تخلص سخن بہ میر عبدالصمد بہ یک روز عنایت کردہ" وفات جمادی الاولیٰ ۱۱۴۰ھ، "جائے گلشن بہشت ابدی" سے تاریخ نکلتی ہے،

سکھراج سبقت، وطن اصلی نواح لکھنؤ، آبا و اجداد اسد خاں وزیر کے نوکر تھے، سبقت بہت سے

۱؎ یہاں پر کوئی لفظ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹ گیا ہے، آرزو نے مجمع النفائس میں گلشن کی زبانی لکھا ہے کہ میرزا تخلص بہ من داد چوں نسبت گل و گلشن (شاہ گل ان کے پیر تھے) ملاحظہ کردم اختیار نمودم، شاید دو سہ جا تغیر و تبدیل در اشعار من کردہ باشد"

علوم میں دستگاہ رکھتا تھا، اور "فنون سیاق" میں یگانۂ آفاق تھا،" از شاگردانِ بے دل بود و میرزا اکثر می فرمودند کہ بسبقت بر جمیع ہند و بچگاں فائق ست"

کچھ دنوں سید اسد اللہ خاں معروف بہ نواب اولیا، عمہ زادہ سید قطب الملک کا میرسامان اور دیوان رہا، دکن کی لڑائیوں میں امیرالامرا حسین علی خاں کے ساتھ شریک تھا، امیرالامرا کو داؤد خاں پر جو فتح ہوئی تھی، اس کے حال میں سات سو شعروں کا جنگ نامہ لکھکر پیش کیا تھا، اور پانصدی منصب پر سرفراز ہوا تھا، ہنگامۂ سادات کے رفع ہونے کے بعد مالوہ میں تین سو سواروں کا جمعدار تھا، راجا گردھر بہادر سے جن کا ملازم تھا جھگڑا ہوگیا، اسی میں قتل ہوا" کرد گھر اج زما سبقت" سے تاریخِ وفات (۱۱۳۵ھ) نکلتی ہے، دیوان میں دس ہزار کے قریب شعر تھے، ضائع ہوگیا،

" فقیر خوشگو از عنفوانِ شعور بہ خدمتش بندگی داشتہ، در سائل عروض و قافیہ و معما و اکثر دواوین تازہ گویان پیش او گذرانید، چوں نسبت ہم عمری داشتیم، بے تکلفانہ توجہ نمود"

مغل خاں صفت و قابل[1]، شاگرد، وفات بے دل کی تاریخ ختم کلام سے نکالی ہی، لیکن اسمیں ۲ کا اضافہ کرنا ہوگا،" از سر بینائی دل گفتہ شد ختم کلام"، وفات ۱۱۴۲ھ،

میر محمد علی، رائج، "شنیدہ شد کہ او شاگرد غائبانہ میرزا بے دل ست، و برخے گویند شاگردی میر محمد زماں راسخ کردہ"

اندرام مخلص[2]، اوائل میں بے دل کے شاگرد شیورام داس حیا، شاگرد، وفات ۱۱۴۴ھ حکیم چند ندرت،" بارہا صحبتِ بے دل، و دیگر شعرائے نامدار یافتہ"

---

[1] اردو کے بھی شاعر تھے، ملاحظہ ہو تذکرۂ فتح علی خاں گردیزی [2] توقع تھی کہ مخلص کی مرآۃ الاصطلاح یا مرآۃ المصطلحات (اس وقت نام ٹھیک یاد نہیں) جس میں بہت سے شاعروں کا ذکر آگیا ہی، بے دل کے ذکر سے خالی نہ ہوگی، لیکن اس میں بے دل کے متعلق کوئی بات نہیں ملی

نصرت، کشمیری الاصل، متوطن لاہور، بے دل کی یہ بیت خود دیوان میں ہی، لاہور میں نصرت[1] کے نام سے مشہور ہے،

چشم پوشیدہ تواں کرد سفر
چہ[2] قدر راہِ فنا ہموار ست

جلد ثالث کا قلمی نسخہ اغلاط سے خالی نہیں، لیکن اغلاط اتنے زیادہ نہیں جتنا ترجمۂ بے دل کی نقل کو دیکھکر میں سمجھا تھا، یہ نقل ایک عربی کے فارغ التحصیل طالب العلم نے کی تھی، اور کتابت کے بعد یہ بار میری ہدایت کے مطابق اصل سے اس کا مقابلہ بھی کر لیا تھا، یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ نقل میں جو اغلاط ہیں وہ اصل سے مطابق ہونے کی وجہ سے ہیں، میں نے اسے معارف کو بھیجدیا تھا، اسکی اشاعت کے بعد جب میں نے خود اصل سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ گو چند اغلاط کی ذمہ داری کاتب سفینہ اور کاتب معارف کے سر ہی لیکن بیشتر اغلاط نقل کرنے والے صاحب کی بے پروائی کا نتیجہ ہیں، تصحیح میں گل رعنا مصنفۂ شفیق اور سفینۂ عشرت مصنفۂ درگا داس سے بھی مدد لی ہے، ان دونوں تذکروں میں بے دل کا حال بڑی حد تک سفینۂ خوشگو سے لیا گیا ہے، اور جا بجا سفینۂ خوشگو کی عبارتیں آگئی ہیں، بعض امور کے متعلق میں نے جناب ریاض حسن خاں صاحب خیال کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اُن کا بہ غایت ممنون ہوں،

ان اغلاط کی تصحیح حسب ذیل ہی:

صفحہ ۳۵۸ ترجمۂ بیدل کی ابتدا اس عبارت سے ہوتی ہے (جو حذف ہوگئی ہے)

---

[1] عزلت نے حاشیہ سفینہ میں لکھا ہے، کہ میں نے مکرر یہ شعر خود نصرت کی زبان سے سنا، اور وہ اپنے کو بے دل کا شاگرد کہتے تھے [2] دیوان مطبوعہ میں ایک غزل اس زمین میں ہی، لیکن یہ شعر نہیں، کلیات میں اس زمین میں کوئی غزل غائب نہیں، سرو آزاد میں بھی یہ شعر نصرت کے نام مندرج ہی،

بداں کہ خامہ سنبلستاں نگار جبیں سائے آستانِ پاک ست و دل غنچہ مثال پردہ کشائے حقیقت ایجا
بوے گل نفسے کہ شگفتگی از جبینِ بہار آئینش گلشن گلشن بہ خود بالیدن داشت، و بزرگی از ذات عرش
کمالاتش عالم عالم سامانِ دکان چیدن می اپناشت،

بادم شستن لب از مشک و گلاب	تا بگویم نام آں قدسی جناب
سامعہ را وقتِ گل چینی رسید	ناطقہ را صبح حق بینی دمید

درویش بادشاہ دماغ پوست تخت سرفرازی، بادشاہ (غالباً یہاں پر کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے،)
فراغ تخت روانِ بے نیازی، ابر دُربار شکوہ آسمان کمال، (؟) خورشید آسماں وقار جہان قال و
حال، آئینہ مظہر قدرتِ الٰہی جائے لبالب مو قدرتِ لامتناہی، قبلۂ لفظ و کعبۂ معانی، کدخدائے سخن
وخداوند سخندانی،

مرزا بیدل کہ رہ نمائے سخن ست	پیغمبر و غوث و پیشوائے سخن ست
یکتاست در آفریدنِ طرز کلام	باللہ کہ بے سخن خدائے سخن ست

نکہت گلستان و بوستاں نذر شامۂ سامعہ باد بہ استشمام از احوالش سعادت کمالش
دکذا، سطر ۸ رباعی سبقت کی بیت اوّل سفینہ اور سفینۂ عشرت میں یوں ہی، مصرع ثانی کے بعض
الفاظ کی صحت میں اب بھی شک ہے،

آں ذاتِ ابد قدرت تنزیہ مقام	عبد القادر نمود تشبیہش نام

سطر ۲، سکھراج رائے، سکھ راج،

صفحہ ۳۵۹ سطر ا و ۲ بہ قوت ریاضی بر ماضی و مستقبل روزگار اطلاع داشت، سطر ۱۲
انتخاب جز و زماں، سطر ۴ جنبش مژگان بے نم خامہ تحریر بود، سفینۂ چہار عنصر مطبوعہ اور چہار عنصر
کے تین قلمی نسخوں میں "بے نم" لیکن جناب خیال کی رائے میں، بانم یا پُر نم ہونا چاہئے، بے نم سے

لہ کہنے [illegible] نہیں [illegible] ہی [illegible] نم [illegible] [illegible] کرنے [illegible] خامہ تحریر [illegible] بانم یا پرنم [illegible] ہے (از جناب خیال)

ان کے نزدیک "بہم" بھی مرجح ہے، سطر ۱۱، میرزا قلندر برادر اعیانی مرزا عبد الخالق سطر ۱۴ بادشاہ
داشت سطر ۱۹ عارضۂ تب،

صفحہ ۳۶۰ سطر ا سرمۂ ولا، جناب خیال نے اس کی جگہ سرمہ سا تجویز کیا ہی، سطر ۱ بصحت نگردید
سطر ۵ گردن رعونت تارک از تافت، سفینہ میں اسی طرح ہے، لیکن یہ صریحاً غلط ہی، سفینۂ عشرت
میں اس مقام پر "گردن رعونت بر فلک تافت" خوشگو نے غالباً اسی طرح لکھا ہوگا، سطر ۱۱ گذاشتے سطر ۱۱
انفاس خوشش سطر ۱۴ بوے عجبیش،

ص ۳۶۱ اہتزاز ذوقتش سطر ۱ ضروریات راہ دکار

صفحہ ۳۶۲ سطر ۸ بے تعینی بسر سطر ۱ امیر کامگار سطر ۱ بہ سبب فرمایش، سفینہ میں "نسبت فرزندی"
جناب خیال کی رائے میں "بہ سبب فرزندی"، سطر ۱۹ بہ مزاج،

صفحہ ۳۶۳ سطر ا بنگاہ بہ سطر ۳ شاد م الخ، یہ شعر ایک غزل کا ہے جو کلیات میں موجود ہے، قافیہ گاہ گاہی
ہونا چاہئے، سطر ۴ و ۵ زلزلۂ آشفتگی بنیاد سطر ۵ از بدِ شعور سطر ۹ و اسپ خود سطر ۹ پنستہ سطر ۱۰ دیں
بادہ زبس زور نہ گنجد در ظرف، سطر ۱ اگر خامہ،

صفحہ ۳۶۴ سطر ا، درتگ و دو، سطر ۲ دو ہزار، سطر ۵ عصاکرے از آہن، سطر ۷ داشتے، سطر ۷ بولاس،
سفینہ میں ابولاسی، یہ لفظ تذکروں میں کئی طرح آیا ہی، گل رعنا میں انولاسی ہی اور منوہر سہائے صاحب انور ایم اے
دہلوی سے معلوم ہوا کہ یہ صحیح ہی انولاسی بہ واؤ مجہول ہی، سطر ۱۱، بسیار داشت، سطر ۱۲ بہ چشم ہائے نجستہ، سطر ۱۲ و سفینے
سطر ۱۳ شش گرہ، سطر ۱۴ آہستہ وجدا جدا،

صفحہ ۳۶۵، سطر ۲ باز شدے سطر ۶ زیادہ گذشتے، سطر ۸ داشتے، سطر ۸ و ۹ میرزائی از سرا پایش
می بارید، سطر ا، کہ بہ اصلاح عزیزش نیاز افتاد ست، یہ مصرع سفینہ، سفینۂ عشرت اور گل رعنا میں یوں
ہے کہ بہ اصلاح عزیزانش نیاز الخ، اس طرح بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا، جناب خیال نے اس مصرع کی

تین شکلیں پیش کی ہیں، (۱) کہ با صلاح غلط ریش بہ نازالخ (۲) کہ بہ اصلاح خط و ریش بہ ناز الخ (۳) کہ بہ اصلاح خط و ریش دراز الخ سطر ۱۳، تہ سررشتہ،

صفحہ ۳۶۶، سطر ۱ و ۲، قافیے میں یائے معروف چاہئے، مزید تصحیح آیندہ ہوگی، سطر ۴ نیرنگ سطر ۷ چہ عرفی چہ فیضی، سطر ۹ استاداں می باشد سطر ۱۹، در، کلیات میں وگرہ،

صفحہ ۳۶۷، سطر ۲ ہر گہہ سطر ۳ چہ علم بہ وحشت، سفینۂ و سفینہ عشرت میں اسیطرح لیکن کلیات میں علم چہ وحشت" سطر ۳ چہ گو نہ سطر ۴ چناں، سفینہ اور کلیات دونوں میں اس طرح ہی چساں، سطر ۱۴ کتابت، سفینہ میں اسی طرح لیکن جناب خیال کی رائے میں کنایت ہو تو تعجب نہیں، لیکن گل رعنا کے مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ "کتابت" کا مؤید ہے صفحہ ۳۶۸ سطر ۲، تجمل، کمل، سطر ۹ در نگے بے اندازہ سطر ۸ ایا ہزار، صفحہ ۳۶۹، سطر ۱۰ لفظ مسلّم کے بعد کاتب نے عبارت ذیل حذف کردی ہے، میدارید، ناظم خاں گفت از قد ماہر کہ باشد بس، آں حضرت ہفدہ شعر، صفحہ ۳۷۰ سطر ۵ ہمیں قسم سطر ۷ گہہ صفحہ ۱، ۳ سطر ۴ نہایت روشے یا نصد بیت سطر ۷ لنگ لنگان بہ سر منزل سطر ۱۰ الب بدنہ اچہ بد عقیق سطر ۱۲ خفت برگل سطر ۱۲ از چہ سطر ۳ چراز سطر ۱۳ بر کہ بدل سطر ۱۳، مصرع ۲ کلیات میں یوں ہے اور یہی صحیح ہے، کا فتاد چہ بار از کہ سر بر کہ بدل سطر ۱۰ چناں، سفینہ میں صاف پڑھا نہیں جاتا، گل رعنا میں چہ ساں، اس میں چوں کی جگہ خوں بھی ہے، اس مصرع کی صحت میں شک ہے، سطر ۲ مصرع ۲ گل رعنا میں یوں ہے، گل بدنہ چہ بود نامہ از کہ زیار، بیت ثانی کی صحت میں بھی شک ہے، سطر ۱۹، ایزاد نہ کردہ، سطر ۱۹، ہزار بیت، صفحہ ۳۷۲ سطر ۵ ما ہمہ، صفحہ ۳۷۳، سطر ۱۱ فشاند کلیات میں نشاند سطر ۱، خلقت سفینہ میں خلعت، کلیات میں "خلقت" سطر ۱۰، نہ پیش، کلیات بہ پیش صفحہ ۳۷۴ سطر ۲ جگس سطر ۱ مصرا ئی، صفحہ ۳۷۵، سطر ۵ جان وحید سطر ۱۱ ہرات، سفینہ میں برات کو کاٹ کر ہرات بنا دیا ہے، در اصل برات ہے، سطر ۱۱ بزبان ہاست سطر ۸ بیت از قصائد، صفحہ ۳۷۶، سطر ۴ بجز بستم سطر ۷ گرش سطر ۹ نفاق وحد سطر ۹ در آبہ نغانی، سطر ۱۰ کے آخر میں یہ الفاظ کاتب نے حذف کر دئے ہیں، ایں اشعار از آں جاست، اسکے بعد اشعار ہیں، جن کی تعداد کم و بیش ۳۰۰ ہے،

تلخیص تبصرہ

رومانیہ کے مسلمان

براعظم یورپ کے قریب قریب کل حصون مین مسلمان آباد ہین، خصوصاً اس حصہ مین جو فنلینڈ سے خط مستقیم وسط یورپ ہوتا ہوا اٹریسٹ تک چلا گیا ہے، ان کی تعداد اور اقتصادی و سیاسی حالت اتنی ترقی پذیر ہے کہ یہان کی اکثریت رکھنے والی قومین ان کو خوف و خطرہ کی نظر سے دیکھتی ہین، یہ سارے مسلمان اپنے ملک و قوم کے مخلص اور اس کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہتے ہین،

یورپ کے متوطن تمام مسلمان اپنے مذہب اور اپنی روایات و رسوم کی حفاظت کے ساتھ یورپی تہذیب مین یورپین اقوام کے دوش بدوش ہین، ان مین رومانیہ کے مسلمان سب سے زیادہ اپنے دینی روایات کے محافظ ہین، ان مین بھی ڈوبروڈجا کے مسلمانون کو خاص امتیاز حاصل ہے، آبادی کا بڑا حصہ ترکی النسل ہے،

ڈوبروڈجا کا علاقہ رومانیہ کے اہم ترین حصون مین ہے، اسی لئے وہ زمانہ قدیم سے حکومتون مین متنازعہ فیہ چلا آتا ہے، مشرقی یورپ مین کوئی حصہ اتنا حسین نہین ہے، تین سمتون سے پانی سے گھرا ہے، چوتھی سمت مین کوہستان کوادری لاٹر کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، اس کے دامن مین نہایت شاداب اور خوبصورت جھاڑیان ہین اور ہر طرف چھوٹی چھوٹی نہرین روان ہین، ان مین بعض معدنی جھیلین بھی ہین، جن مین غسل کے لیے ہر سال ہزارون مریض آتے ہین، یہ حصہ جنگی نقطۂ نظر سے رومانیہ کے لئے اتنا ہی اہم ہے،

جتنا روس کے لئے جزیرۂ قرم،

ڈوبروڈجا کا لفظ ڈوبرٹیچ سے مشتق ہی، جو چودھوین صدی کے نصف مین ڈارنہ کا بڑا جابر ظالم حکمران تھا، اس حصہ مین دیسیز کے قبائل آباد تھے، ان کے بعد یونانی آباد ہوئے، پھر گاتھ پھر بلغاری، ان کے بعد قرمان پھر بیزنطینی آخر مین مسلمان ترک آباد ہوئے، ان کی آبادی کی تاریخ یہ ہے، کہ ترکی حکومت نے ایک زمانہ مین اس علاقہ کو ترکون کی آبادی کے لئے مخصوص کردیا تھا، چنانچہ ایک ترکی افسر باباصالتوق دہ دہ بیس ہزار ترکون کے ساتھ آکر یہان آباد ہوا، اور ۱۲۶۳ء مین اوس نے یہان ایک شہر بسایا، جو داغ بابا کے نام سے موسوم ہوا اور سرزمین یورپ مین ترکون کی فتوحات کے ساتھ ڈوبروڈجا اور دوسرے یورپین علاقون مین برابر اسلام پھیلتا گیا، اور ترکی مسلمان ڈوبروڈجا سے لیکر انتہائی شمالی حصہ سانجہ تک پہنچ گئے، اور ان علاقون کی حفاظت کے لئے انھون نے بڑے بڑے جنگی استحکامات اور قلعے تعمیر کرائے، ان مین باباداغ کا قلعہ سب سے زیادہ مستحکم تھا، اسے سلطان محمد اول نے تعمیر کرایا تھا،

اٹھارہوین صدی کے وسط مین کریمیا کے فوجی مسلمانون کی بڑی تعداد ڈوبروڈجا مین بس گئی، ان کے علاوہ عرب اور چرکسی فوجین بھی آکر آباد ہوئین، لیکن یہ دونون سین اسٹفانو کے معاہدۂ ۱۸۷۸ء کے مطابق لوٹ گئے، اور ڈوبروڈجا پورے ۴۶۰ برس تک عثمانیون کے قبضہ مین رہنے کے بعد چند دن کے لئے روسیون کے قبضہ مین چلا گیا، لیکن پھر ۱۸۷۸ء مین معاہدۂ برلن کی رو سے رومانیہ کو مل گیا، اس وقت سے پھر یہان مسلمانون کی آبادی بڑھنی شروع ہوگئی، اور ان کی تعداد ڈھائی لاکھ تک پہنچ گئی، اور انھون نے اپنی زندگی کا مادی نظام یورپین تہذیب اور روحانی نظام اسلامی شریعت کی بنیادون پر قائم کیا، لیکن پھر ان کے رومانیہ سے ترکی مین نقل مکان کی وجہ سے رومانیہ مین ان کی تعداد گھٹ کر ڈیڑھ لاکھ رہ گئی، ان کی آبادیان نہایت مرتب و منظم ہین، مکانات اور عمارتین عموماً شگی اور

سڑکین اور گلیان بہت کشادہ اور مرتب ہین، آبادیان نہایت وسیع کشادہ اور بڑے بڑے میدانون اور باغون سے بھری ہوئی ہین، سڑکون کے دورویہ شاداب اور سایہ دار درختون کی نہایت مرتب اور خوشنما قطارین ہین، ان کی آڑ مین بجلی اور ٹیلیفون کے تار مکڑی کے جالے کی طرح تنے ہوئے ہین، ہر دو سو قدم پر بجلی کے بڑے بڑے بلب شہرون اور دیہاتون کو بقعۂ نور بنائے رہتے ہین،

رومانیہ کے مسلمانون نے ترکون اور دنیا کے دوسرے مسلمانون سے بھی تعلق قائم رکھا ہی، ان کی بہت سی مجالس اور انجمنین ہین، جو عالم اسلام سے اس کا تعلق قائم رکھتی ہین، ڈوبروڈجا کا کوئی قریہ اسلامی مجالس سے خالی نہین، جو مسلمانون کے معاملات کی نگرانی اور سوسائٹی مین ان کی سطح بلند کرنے کے فرائض انجام دیتی ہین، ان مجالس کا وہان کے مسلمانون پر بڑا اثر ہے، اور ہر مسلمان ان سے تعلق رکھنا اور ان کی امداد و اعانت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہی،

ان اسلامی انجمنون کے علاوہ "ڈوبروڈجا کنجلری حرت تشکیلاتی" کے نام سے بہت سی غیر مذہبی انجمنین بھی ہین، گو یہ انجمنین اسلامی انجمنون کے رسمی قیود سے آزاد ہین، لیکن ان اسلامی امور مین جن کا مسلمانون کی فلاح اور ان کی ترقی سے تعلق ہے، اسلامی انجمنون کی پوری معاون و مددگار ہین،

ڈوبروڈجا کا علاقہ چار سنجقون یا چار ضلعون مین تقسیم ہی، ہر سنجق مین ممتاز علماء مین سے مسلمانون کا قاضی اور مفتی ہوتا ہی، پھر اکابر علماء مین سے ان سنجقون اور قضاۃ کا ایک افسر اعلیٰ ہوتا ہے، تمام اضلاع کے قضاۃ مسلمانون کے جملہ امور خصوصاً ان کے شخصی معاملات اور مذہبی اجتماعی اور ثقافتی مسائل مین اس کے احکام کی پابندی کرتے ہین،

ڈوبروڈجا مین ساڑھے چار سو نہایت خوبصورت مسجدین ہین، ان مین بعض بہت بڑی ہین، اکثر مسجدین استنبول کی مسجدون کی طرز کی ہین، ان کی نگرانی اور آبادی کا خاص انتظام ہی، بعض مسجدین دولتمند مسلمانون نے بنوائی ہین، اور بعض اسلامی انجمنون نے مسجدون کی ضرورت کے لئے رومانیہ کی حکومت اور

میونسپلٹی زمین مفت دیتی ہے، کچھ امداد بھی ملتی ہے، سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد کونسٹنجہ کی "جامع کارول"
اور بخارسٹ کی "جامع بارک کارون" ہے، یہ دونون مسجدین شاہ کیرول نے مسلمانون سے اخلاص ومحبت
کے ثبوت مین اپنی جیب خاص سے بنوائی تھین، مرحوم شاہ فواد مصر نے جامع بارک کارون کے لئے سالانہ
امداد بھی مقرر کی تھی، اور رومانیہ کی حکومت نے ائمہ موذنون کی تنخواہون اور مسجد کے دوسرے مصارف
کے لئے گور کے بڑے بڑے باغات وقف کئے ہین، جن کی آمدنی اسلامی انجمنون کی نگرانی مین مساجد پر
صرف ہوتی ہے، "ڈوبروجا کنجلری حرت تشکیلاتی" کی مجالس زیادہ تر مسلمانون کے ثقافتی اور سیاسی
امور کی نگرانی اور ان سے متعلق کام کرتی ہین،

ہر شہر مین چھوٹے بچون کے مدارس ہین، جن کی مدت تعلیم دو سال ہے، مدرسہ ابتدائی کی پانچ
سال بعض شہرون مین ثانوی مدارس بھی قائم ہوگئے ہین، ان مدرسون مین جمہوریہ ترکیہ کے اصولون
پر ترکی زبان مین تعلیم ہوتی ہے، مسلمان بچون کے لئے بھی ابتدائی تعلیم جبری ہے، سب سے بڑا مدرسہ مجیدیہ ہے
جو رومانیہ کے ٹریننگ کالج کے برابر ہے، اس مین ترکی اور عربی دونون زبانون کی تعلیم ہوتی ہے،
حکومت اور اسلامی انجمنون کے درمیان پورا تعاون واتفاق ہے،

"م"

اندلس کا دماغی ترکہ کتب خانہ اسکوریال مین

قرون وسطیٰ مین جب کہ یورپ پر وحشت وجہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی، عربون کا تمدن
اسپین مین دنیا کو مطلع انوار بنا رہا تھا، اور اندلس مین دماغی سلطنت قائم تھی، اور قرطبہ کے علمی مراکز شمال
ومغرب کے دور دراز مقامات پر اپنی روشنی ڈال رہے تھے، اور وہان اسلامی خیالات انتہائی
ذروۂ کمال تک پہونچ گئے تھے لیکن سیاسی آندھیون جنگی مصروفیتون اور زمانہ کی گردشون نے
خود اسلامی سلطنت کے قیام ہی کے زمانہ مین اس بلند منارہ کو بار بار گرایا، اور اس کے خزانون کو

منتشر کیا، اس کے بعد اسپین مین اسلام کے اقبال کا ورق الٹ گیا، اندلس مین جدید اسپین کی حکومت
قائم ہوئی، لیکن اس جدید حکومت کو اسپین کا یہ قدیم دماغی ترکہ نہین ملا، اور تعصب اور جہالت نے عربی
کتابون کے ایک بہت ہی چھوٹے حصہ کو باقی رکھا، جو اسکوریال کے تاریک کمرون اور بعض پبلک کتبخانون
مین دفن کر دیا گیا، لیکن اس کے باوجود بھی سترھوین صدی عیسوی تک کے وسط مین عربی کی قلمی کتابون
کی تعداد کئی ہزار تھی، جو اپنی نوعیت مین بہترین حیثیت رکھتی تھین، لیکن سنہ ۱۶۷۱ء مین اسکوریال مین ایک
ایسی آتشزدگی ہوئی، جس نے اس خزانے کے تین حصہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، اس وقت تک اسپین
کی حکومت عربی کتابون کو ہر مطالعہ کرنے والے کی نگاہ سے چھپانا چاہتی تھی، اور اسپینی مصنف بھی دینی
اور قومی اثر سے متاثر تھے، اس لئے ان ماخذون پر جن سے اسلامی سلطنت کے زمانہ کی تاریخ اور
تہذیب وتمدن پر روشنی پڑتی تھی، بحث کرنے سے اجتناب کرتے تھے، اور اپنے ملک کے اس تاریخی
حصہ کے متعلق صرف قومی ماخذون سے کام لیتے تھے، اس لئے ان کی تحریرین تعصب اور فرقہ پرستی
کے جذبات سے لبریز ہوتی تھین، لیکن سنہ ۱۶۷۱ء کے حادثہ آتشزدگی کے بعد اسپینی حکومت کی آنکھیں کھلین
اور مستشرق کازیری نے عربی کی قلمی کتابون کے بچے کھچے حصہ کی جن کی تعداد ایک ہزار آٹھ سو پچاس
تھی، ایک فہرست مرتب کرنی چاہی اور کئی سال کی محنت کے بعد اوس نے ایک فہرست مرتب کی جس کا
نام "اسپینی عربی کتب خانہ اسکوریال مین" ہے، اوس نے اس فہرست مین عربی مجموعہ کے مضامین کو تفصیل
کیساتھ پیش کیا ہے، اور ہر کتاب کے مباحث کا خلاصہ لکھا ہے، اس پر حواشی چڑھائے ہین، اور مشکل مقامات
کی شرح کی ہے، یہ فہرست سنہ ۱۷۶۰ء اور سنہ ۱۷۷۰ء کے درمیانی زمانہ مین شائع ہوئی، اور متاخرین مستشرقین
مین بعض نے اوس پر یہ تنقید کی، کہ اوس مین دقت نظری اور عمق نہین پایا جاتا، لیکن عام رائے یہ ہے
کہ اسکوریال مین عربی مجموعۂ کتب کا وہ بہترین ذخیرہ اور عربی خیالات کے نتائج کی بہترین نمایندگاہ ہے
کازیری کی فہرست کے شائع ہونے کے بعد سب سے اہم مسئلہ جس کی طرف لوگ متوجہ ہوئے یہ تھا کہ

اسکوریال کے اس ذخیرہ سے ان عربی روایتون پر بحث کی جائے، جو اسپین مین عربون کی تاریخ، اسلامی حکومت کی سیاست اور اسلامی سوسائٹی کی خصوصیات سے تعلق رکھتی ہین، چنانچہ ایک جماعت نے جسمین ایدریس اور ماسدی شامل ہین عربی علوم وآداب کی تاریخ پر بحث کی اور ماسدی نے ایک بڑی کتاب شائع کی جس کا نام "اسپین اور اسپین کے تمدن کی تنقیدی تاریخ" ہے، یہ کتاب ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء کے درمیانی زمانہ مین شائع ہوئی، اور وہ اندلس کے تمدن کی تاریخ کا بہت بڑا ماخذ ہے، اور اس مین اسپین مین مسلمانون کی سوسائٹی کی خصوصیات اور اسلامی خیالات کے مختلف گوشون کے متعلق عمدہ روایتین جمع کی گئی ہین، لیکن عربی ماخذون کے مطابق عربون کی سیاسی تاریخ اب بھی ایک خواب فراموش رہی، لیکن اس کے بعد مستشرق یوسف کونڈی امین کتب خانہ اکادمی میڈرڈ نے سیاسی حیثیت سے عربی ماخذون کا وسیع مطالعہ کیا، اور کئی سال اسکوریال کی قلمی کتابون کی تحقیقات مین صرف کئے، اور اس کے بعد اپنی مشہور کتاب "اسپین مین عربون کی سلطنت کی تاریخ" شائع کی، اس تاریخ کا پہلا حصہ ۱۸۲۰ء مین شائع ہوا، لیکن اسی سال کونڈی نے وفات پائی، اس لئے اس کے مسودون کے دو بقیہ حصے دوسرے سال شائع ہوئے، لیکن ان مین وہ خصوصیات نہ تھین، جو اس کی تاریخ کے پہلے حصہ مین نمایان طور پر نظر آتی ہین، بہرحال پہلے حصہ مین فتح کے زمانہ سے لیکر حکم مستنصر کے زمانہ یعنی ۳۶۶ھ (۹۷۶م) تک کی تاریخ درج کی گئی ہے، دوسرا حصہ حکومت عامہ، ملوک طوائف کی تاریخ پر سلطنت غرناطہ کے پیدا ہونے تک شامل ہے، تیسرے حصہ مین سلطنت غرناطہ کی تاریخ ۱۴۹۲م مین اس کے زوال تک مذکور ہے، لیکن ان دونون حصون مین بعض ایسی غلطیان موجود ہین، جو مولف کی نظر ثانی کی نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہین، تاہم ان مین بھی کونڈی کی تنقید ونظریات کا کافی حصہ موجود ہے، کونڈی نے خاص طور پر اپنے خیالات کو نہایت صراحت کیساتھ ظاہر کیا ہے، یہانتک کہ اپنی قوم اور اپنے ہم وطنون پر بالخصوص ان واقعات کے متعلق جو زوال غرناطہ عربون پر اسپینیون کے مظالم ان کے عیسائی بنانے، پھر ان کے آبائی وطن سے خون کے سیلاب مین نکالنے سے تعلق رکھتے ہین، نہایت سخت الزامات

لگائے ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ عربی ماخذون اور ان کی روح سے متاثر ہوا ہے، یہانتک کہ خود اپنی کتاب کے مقدمہ مین لکھتا ہے کہ اوس نے عربی ماخذون اور عربی روایتون کی اسقدر تقلید کی ہے کہ ایک یورپین جب اسکی کتاب کو پڑھے گا، تو یہ سمجھے گا کہ وہ ایک عربی مورخ کی کتاب پڑھ رہا ہے، یہی اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے لیکن ہالینڈ کا مستشرق رینہارٹ ڈوزی جس نے اندلس کی تاریخ کے مطالعہ مین اپنی زندگی کا بڑا حصہ صرف کیا ہے اسکی کتاب پر سخت حملہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ کونڈی عربی زبان سے بہت کم واقف ہے، اوس نے ہزارون واقعات غلط نقل کئے ہین لیکن اسکی یہ رائے صحیح نہین ہے، کونڈی عربی روایتون کو نہایت خوبی سے نقل کرتا ہے، اسکی کتاب مین جو غلطیان ہین ان کا سبب یہ ہے کہ وہ نظر ثانی کرنے سے پہلے مرچکا تھا، اور اس نے عربی کے ان ماخذون سے جو باہم مخالف تھے، بغیر بحث وترجیح کے بہت سی روایتین نقل کی ہین، لیکن ان غلطیون کے باوجود اسکی کتاب اندلس کی تاریخ کا بہترین ماخذ ہے،

کارڈون نے بھی اپنی کتاب "تاریخ افریقیہ اور اسپین" مین کونڈی کی طرح ان عربی کتابوں سے روایتین نقل کی ہین، جو پیرس کے کتب خانہ مین موجود تھین، لیکن اوس نے اسپینی مصنفون سے بھی روایتین نقل کی ہین اور صرف اخیر فصلون مین جو زوال غرناطہ سے تعلق رکھتی ہین، عربی روایتین نقل کی ہین، لیکن ان سب باتون کے باوجود کازیری کی فہرست اپنی نوعیت مین بے مثل ہے، صرف یہی نہین کہ وہ اندلس کے دماغی سرمایہ کا مکمل خلاصہ ہے بلکہ اس سے اندلس کے تمدن کی برتری وتفوق پر بھی بہت سے دلائل قائم ہوسکتے ہین، مثلاً اس ذخیرہ کی بہت سی قلمی کتابون کا پتہ چلایا ہے جو ۱۰۰۹م مین روئی کے کاغذ پر اور چند کتابین ۱۱۰۶م مین کتان کے کاغذ پر لکھی گئی ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اندلس کے عربون نے کاغذسازی مین بڑا کمال حاصل کیا تھا، اس کے علاوہ بہت سی تاریخی کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اہل عرب ہی نے جنگ مین ڈائنامیٹ کو استعمال کیا، اس فہرست سے اور بھی بہت سے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، جو اسکوریال کے ظلمت کدہ مین گم ہوگئے تھے،

(ع)

اخبارِ علمیہ

سوویٹ روس مین مسلمانونکی تنظیم

موجودہ عالمگیر جنگ سے پہلے سوویٹ روس کے صحیح حالات پردۂ خفا مین تھے، برطانوی روس اتحاد نے اس پردہ کو اٹھایا، اور برطانوی ذرائع ہی سے روس کے حالات کی دلکش تصویرین منظر عام پر آنے لگین، خصوصًا عربی زبان کے ذریعہ جو حالات چھپتے رہتے ہین، ان سے روس مین مسلمانونکی عام زندگی کا ایک اندازہ ہوتا ہے،

سوویٹ روس کے زیر علم تقریبًا ۲ کرور ۵۰ لاکھ مسلمان آباد ہین، جو پوری روسی آبادی کی تقریبًا ایک چوتھائی ہے، ان مین سے ایک کرور ۹۰ لاکھ ترکستان مین ہین، ایک کرور قفقاز مین، ۲۰ لاکھ سائبیریا مین، ۳ لاکھ لینن گراڈ کے اطراف مین، اور بقیہ اسی طرح روس کے مختلف شہرون مین پھیلے ہوئے ہین، ان مین سے دس لاکھ سے اوپر، روس کی سرخ فوج مین بھی داخل ہو چکے ہین، اور قفقاز کے محاذ پر وہ اس وقت دشمنون کا مقابلہ کر رہے ہین،

روسی مسلمان سوویٹ اتحاد مین مساوی حیثیت سے شریک ہین، اس کے ساتھ ان کی جداگانہ داخلی تنظیم بھی قائم ہے،، روسی علماے دین کی ایک مجلس مشورت قائم ہے، اور مسلمانان روس کے عام انتخاب سے ان علماے دین مین سے ایک "مفتی" کا انتخاب کیا جاتا ہے، جس کو "شیخ الاسلام" کا مرتبہ حاصل ہے، آج کل اس جلیل القدر منصب پر رسولیف عبد الرحمن فائز ہین، ۱۹۳۶ء مین

انھیں مسلمانانِ روس کی نمایندہ انجمنوں نے اس عہدہ کے لئے منتخب کیا تھا، اس عہدہ پر ان کا انتخاب سابق مفتی روس فخر تدنیوف رضاء الدین کی وفات کے بعد عمل مین آیا تھا، مفتی رسولیف عبد الرحمن جمعیۃ علماے اسلام روس کی صدارت عظمیٰ کے منصب پر بھی فائز ہین" جمعیۃ علماے مسلمانان روس نے ۱۸ر جولائی ۱۹۴۱ء کے ایک منشور مین مسلمانان روس کو موجودہ جنگ مین شریک ہو کر دشمنوں سے ملک کو بچانے کی دعوت دی تھی،

مفتی رسولیف عبد الرحمن روس کے ممتاز اہل علم مین شمار کئے جاتے ہیں، دینی و علمی موضوعون پر ان کی قابل قدر تصنیفات ہین اس وقت ۶۰ سال کی عمر ہے، قد درمیانی، آنکھوں سے ذکاوت و فراست ٹپکتی ہے، چہرہ پر خوبصورت حنائی داڑھی ہے، جسم پر ڈھیلے ڈھالے مشرقی کپڑے، اور سر پر ترکی ٹوپی، ان کے کمرے مین عربی، فارسی، ترکی اور تاتاری زبان کی کتابوں کا قیمتی ذخیرہ موجود ہے، جن مین تقریبًا ۰۰، نادر قلمی کتابین ہین، روس مین اسلامیات پر کتابوں کا یہ نادر ذخیرہ تصور کیا جاتا ہے،

سوویٹ روس کے مختلف خطوں مین اسوقت ہزاروں اسلامی مدرسے، مسجدین اور کتب خانے قائم ہین، جن سے مسلمانان روس کی ہیئت اسلامی کی تنظیم قائم ہے، اس طرح مسلمانانِ روس ایک طرف سیاسی حیثیت سے سوویٹ روس مین مساوی طور پر شریک ہین، اور دوسری طرف اپنی دینی جمعیتون کے ذریعہ آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی تنظیم بھی قائم کئے ہوے ہین،

ہرات کے چند آثار

افغانستان کے تاریخی شہروں مین ہرات کو نمایاں امتیاز حاصل رہا ہے، خصوصًا سلطان حسین مرزا کے زمانہ مین اس شہر نے مرکزی حیثیت سے بڑی ترقی کی، علماء، ادباء، شعراء و دیگر ارباب علم اس دور مین یہاں جمع تھے،

تیمور کی وفات کے بعد شاہ رخ نے ۸۰۷ھ؁ ۱۴۰۵ء میں ہرات کو اپنا دار السلطنت بنایا، کہا جاتا ہے کہ اس دور میں پورے وسط ایشیا میں سیاسی، اقتصادی و عمرانی حیثیتوں سے تنہا اسی شہر کو مرکزیت حاصل تھی، ۸۷۳ھ؁ ۱۴۶۸ء میں امیر حسین بای قرہ یہاں کا فرماں روا ہوا، اس نے اپنے ۴۰ سالہ دور حکومت میں ہرات کو علمی، تمدنی، اقتصادی اور عمرانی حیثیتوں سے غیر معمولی ترقی دی، مہر خود کی تاریخی تصنیف، جامی کی لطیف غزلیات اور بہزاد کے موے قلم کے شاہکار اسی تاریخی شہر کی یادگاریں ہیں،

لیکن افسوس ہے کہ ہرات کے آثار قدیمہ میں سے بہت کم دست برد زمانہ کے دستبرد سے محفوظ رہ گئے ہیں، بڑا حصہ تو زلزلوں کے ہاتھوں تباہ ہوا، اور کچھ چیزیں وحشی حملہ آور سپاہیوں نے تباہ کیں، ان میں جوہر شاہ بیگم ملکہ شاہ رخ کی ایک تاریخی مسجد بھی تھی، اب اس مسجد کا تھوڑا سا حصہ محفوظ رہ گیا ہے، ان باقیماندہ آثار میں ملکہ جوہر شاہ بیگم کا مقبرہ بھی قابل ذکر ہے، یہ مقبرہ، ایشیا کی خوبصورت بڑی ضریحوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، ایک دوسری قابل ذکر عمارت "قلعہ شاہ رخ" بھی ہے، اس کی تعمیر ۸۱۸ھ؁ ۱۴۱۵ء میں عمل میں آئی تھی، یہ قلعہ ان دنوں سپہ سالار عام کی قیامگاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، افغانستان میں تشریف لانے والے صحابہ کرام میں سے حضرت عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک بھی اسی شہر میں ہے، اور زمانہ قدیم سے مرجع خلائق ہے، سلطان غیاث الدین غوری نے جب اس شہر کو پایہ تخت بنایا تو ۵۹۶ھ؁ ۱۲۰۰ء میں یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی تھی، وہ بھی اب تک محفوظ کھڑی ہے، پھر ہرات کی شہری آبادی میں بہت سی ایسی قدیم عالیشان عمارتیں اب تک محفوظ ہیں، جن کی دیواروں پر سنہری پچی کاری کے نادر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، جا بجا کوفی خط میں آیات پاک منقوش ہیں، سنگ موسیٰ، سنگ مرمر، سنگ سرخ اور مرصع لاجوردی نقش و نگار سے آراستہ دیواریں کھڑی ہیں، اگرچہ ان محلات کے یہ تاریخی یادداشتیں محفوظ ہیں، مگر ان کی عالیشان عمارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہرات کی عمرانی ترقیوں کے دور میں شاہی خانوادوں اور امرائے دولت کی قیامگاہیں ہونگی۔

ترکی کی صنعتی ترقی

ترکی کو نئے انقلاب کے بعد جب سر اٹھانے کا موقع ملا، تو اس کی سب سے زیادہ توجہ ملک کی صنعتی ترقی کی طرف مبذول ہوئی، اس دور کا آغاز ۱۹۲۶ء؁ سے شروع ہوا، حکومت ترکی نے مختلف غیر ملکی حکومتوں سے ایسے معاہدے کئے جس سے راس المال فراہم کرنے کا موقع ملا، پھر صنعتی ترقی کے لئے ملک میں مختلف قسم کے ادارے قائم کئے گئے جن میں سے ۱۹۳۲ء؁ میں "سومار بینک" کا افتتاح خاص طور پر قابل ذکر ہے، یہ بینک مختلف صنعتوں کی ترقی میں امداد پہنچانے کے لئے قائم کیا گیا ہے، ترکی کے اس صنعتی دور میں کان کنی کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی، اور روز بروز اس میں غیر معمولی ترقی ہوتی گئی، مثلاً ۱۹۳۱ء؁ میں پتھر کے کوئلہ کی نکاسی صرف .... ۳۰۲ ٹن ہوئی تھی، ۱۹۳۵ء؁ میں ترقی کر کے .... ۱۴۳ ٹن تک پہنچی، اس سے پہلے حدود ترکی میں پتھر کے کوئلہ کی نکاسی ہوتی تھی، لیکن ۱۹۳۶ء؁ اس مقدار میں نکلنے کے بعد نہ صرف درآمد رک گئی، بلکہ وافر حصہ برآمد ہونے لگا، اسی طرح ترکی میں تانبا اس قدر مقدار میں نکالا گیا کہ اس سال ساری دنیا کی نصف مقدار صرف ترکی سے حاصل ہوئی، اور اسی طرح اور دوسرے معادن سے تقریباً اسی مقدار میں مختلف چیزیں نکالی گئیں، ترکی میں ایک ادارہ مستقل طور پر قائم ہے، جو جا بجا تحقیقات کر کے معادن کا اکتشاف کرتا ہے، اور ان چند برسوں میں اتنے معادن دریافت ہو چکے ہیں، جس کی مثال ترکی کی تاریخ میں کبھی نہیں گذری، ترکی کی ان صنعتی ترقیوں سے ایسی بہت سی آبادیاں آج عالیشان شہر ہیں جنھیں پچھلی بڑی لڑائی سے پہلے کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، مگر آج وہ اپنی صنعتی ترقیوں کے باعث ترکی کے اہم شہر قرار پا گئے ہیں،

"م ر"

ادبیات

مردانِ حق کی تلاش

از

جناب یحییٰ اعظمی

دے مجھکو کسی مسلمِ خالص کا پتہ بھی
یارب ہین جہان مین علما بھی حکما بھی

سُونے نہین اب بھی ہین یہان منبر و محراب
گلبانگِ مناجات بھی ہے شورِ دعا بھی

ہے نغمۂ توحید بھی مسلم کی زبان پر
تسبیح بھی ہے زمزمۂ حمد و ثنا بھی

اللہ کا گھر اب بھی نمازون سے ہے معمور
پُرشور اذانون سے ہے عالم کی فضا بھی

ہے مسندِ ارشاد بھی تذکیر سے آباد
اصحابِ مواعظ بھی ہین اربابِ ہُدیٰ بھی

دستارِ فضیلت بھی سرون پر ہے مزین
سرتا بہ قدم زہد و تقدس کی قبا بھی

دیکھو جسے ہے دلقِ مرقع مین بھی ملبوس
اوڑھے ہوئے ہے فقر کی پارینہ ردا بھی

ہین مدرسے مین حکمت و دانش کے بھی جلوے
پھیلی ہوئی ہے علم و معارف کی ضیا بھی

مکتب مین ادادانِ تفقہ بھی ہین موجود
قرآن و احادیث کے ہین نکتہ سرا بھی

اربابِ معارف کا بھی کچھ قحط نہین ہے
اسرار و غوامض کے ہین یان عقدہ کشا بھی

جاری ہین شریعت کے بھی احکام و اوامر
ہر سو ہے بچھی مسندِ افتا و قضا بھی

ملت کی مجالس بھی اسی طرح ہین سرگرم
اخبارِ ہمیر بھی ہین اذکارِ خدا بھی

ہے محفلِ عرفان بھی بپا خانقہون مین
آراستہ ہے دائرۂ صدق و صفا بھی

ہر گوشۂ خلوت کدۂ زاہدِ مرتاض
گویا کہ وہ ہے جلوہ گہِ شمعِ حرا بھی

کیا کیا نہین اس عہد مین موجود ہے لیکن
مطلوب ہے اب دین کو کچھ اسکے سوا بھی

ہنگامے یہ سب کچھ ہین مگر یہ تو بتاؤ
ہین آج کہین دہر مین مردانِ خدا بھی

منکرِ خدا سے

از

از جناب حسرت ترمذی بی اے ایل ایل بی

ذرے کو کس نے مہرِ منور بنا دیا
قطرے کو کس کے فیض نے گوہر بنا دیا

آئین کہان سے شمس و قمر مین تجلیان
کس نے زمین کو حسن کا پیکر بنا دیا

کس نے زمین کو اک نگہ حُسن ساز سے
عرشِ برین و خلد کا پیکر بنا دیا

کس کی لطافتیں ہین چمن کی بہار مین
جلوے نے کس کے لالۂ احمر بنا دیا

سبزہ کو جوئبار کو، ابرِ بہار کو
کس نے نشاطِ روح کا منظر بنا دیا

نکہت سے کس کی دامنِ گل عطر بیز ہے
صحنِ چمن کو کس نے معطر بنا دیا

اس زندگی کی رہگذرِ خارزار مین
کس نے شعور و عقل کو رہبر بنا دیا

اے منکرِ وجودِ خدا یہ تو غور کر
کس نے تجھے بنا دیا، کیونکر بنا دیا

جوہر یہ انحصارِ حیاتِ جہان سہی
کوئی تو ہے کہ جس نے یہ جوہر بنا دیا

تو اور انحراف خدائے قدیر سے — یہ کس غرور نے تجھے خودسر بنا دیا

کیا ایک سانس کا بھی تجھے اعتبار ہے!

بے اختیار! کوئی تجھے اختیار ہے؟

یادگارِ اخگر

ازجناب اخگر مرادآبادی مرحوم

سید امداد حسین صاحب اخگر مرادآبادی ایک دیرینہ سال بزرگوں کے صحبت یافتہ بزرگ تھے، اکثر شملہ میں قیام رہا، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، رباعیاتِ اخگر کا مجموعہ بھی چھپ چکا ہے، افسوس کہ انھوں نے اپنے وطن مالوف مرادآباد سے دسمبر ۱۹۴۲ء میں اپنے وطن اصلی کی طرف مراجعت فرمائی، ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ ذیل کی نظم ان کی زندگی کا آخری تبرک ہے،

تری محفل سے اٹھ کر خانہ ویرانی نہیں جاتی — نکل کر گل سے نکہت کی پریشانی نہیں جاتی

نہیں مٹتا ہے توبہ سے بھی احساس سیہ کاری — خطا کیا تھی خطا یہ تھی پشیمانی نہیں جاتی

سموئے انکی مرضی میں ڈبوئے راہ میں اُنکی — کہ تیری بات یوں بھی تو وہاں مانی نہیں جاتی

ملا کر رکھ دیا ہے خاک میں افلاک والوں کو — مگر اس پر بھی شاعر کی غزلخوانی نہیں جاتی

میں جھجکا آئینہ سے جب تو ہنس کر جھریاں بولیں — خود اپنی شکل بھی اب تجھ سے پہچانی نہیں جاتی

مذاہب نے بھی زور اپنا لگایا فلسفہ نے بھی — تری وحشت مگر اے نوع انسانی نہیں جاتی

حیات و موت اک چلتی ہوئی گاڑی کے پہیے ہیں — روانی تیری اے بہتے ہوئے پانی نہیں جاتی

ہنسی آتی ہے فطرت مجھ کو تیرے مسخرے پن پر — کہ پیری میں جوانی کی ہوس رانی نہیں جاتی

تحیر میں ہیں چکر میں ہیں حیراں ہیں پریشاں ہیں — وہ دنیا میں کہ جن کی انتہا مانی نہیں جاتی

مرا ہونا تو سورج کی طرح روشن ہے اے اخگر

مگر ہوں کیا یہ لاعلمی یہ نادانی نہیں جاتی

جذباتِ اثر

ازجناب اثر رحمانی رامپوری

وہ رکھیں گے محرومِ حسرت کہاں تک — نہ چھیڑیں گے سازِ محبت کہاں تک

سمیٹوں ترے غم کی دولت کہاں تک — بجا لاؤں شکرِ محبت کہاں تک

اُن آنکھوں سے جو دعوتِ دید پائے — نہ کھائے فریبِ محبت کہاں تک

وہ دل، جو کبھی شاد و آباد دل تھا — کہاں تک خرابِ محبت کہاں تک

جو ہو کارگر، جذبۂ شوق دل میں — دبے خواہشِ عرضِ حسرت کہاں تک

کبھی فتح میدانِ الفت بھی ہوگا — ہزیمت پہ، ہوگی ہزیمت کہاں تک

طریقِ محبت میں یہ دیکھنا ہے، — مرا ساتھ دیتی ہے قسمت کہاں تک

سرِ بزم، وہ اُن کی "دزدیدہ نظریں" — کوئی دل کی کرتا حفاظت کہاں تک

محبت کا آغاز آغازِ حسرت — محبت کا انجام حسرت کہاں تک

تم ان تلخ نغموں کو شیریں بنا دو — شکستہ رہے سازِ الفت کہاں تک

کبھی تو کرو احترامِ محبت — لگاتار، توہینِ الفت کہاں تک

کبھی تو بنو قدر دانِ محبت — کہاں تک یہ کفرانِ نعمت کہاں تک

کہاں تک اثر ایک ہوتے نہ دو دل

نہ اٹھتا حجابِ محبت کہاں تک،

باب التقریظ والانتقاد

محمد علی کی خودنوشتہ سوانحمری کا کچھ حصہ

My life: A Fragment by Maulana Mohammadali

ناشر: شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار، لاہور ضخامت :- ۲۰۳ صفحے، قیمت :- عہ

جناب شیخ محمد اشرف ادھر کئی سال سے نہایت مفید اور اہم انگریزی کتابون کی طباعت و اشاعت مین خاص شہرت حاصل کر رہے ہین، ان کی مطبوعات کی عمدہ لکھائی چھپائی کا اعتراف امریکہ اور یورپ کے مختلف رسالون مین بھی کیا گیا ہے، حال ہی مین ان کی مطبوعات مین مولانا محمد علی مرحوم کی ایک تصنیف کا قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے جس کی لکھائی چھپائی، جلد بندی اور ٹائٹل پیج محمد علی مرحوم کی اعلیٰ تحریر اور شخصیت کی شان کے مطابق ہے،

محمد علی مرحوم ہندوستان کی اُن عظیم المرتبت ہستیون مین سے تھے جنھون نے اپنی زبان، تحریر اور عمل سے ہندوستان مین ایک انقلابِ عظیم پیدا کرنے کی کوشش کی، وہ نہ صرف ایک سیاسی رہنما تھے بلکہ ایک بلند پایہ صحافت نگار، انشا پرداز، فصیح البیان مقرر، شیرین کلام شاعر اور مذہب کے شیدائی تھے، ان کے جذبات و احساسات کی شدت فہم و ادراک کی تیزی عمل کی بے پناہ قوت و سرگرمی اور کردار کی بلندی نے ایسے شرارے پیدا کئے کہ دیکھنے والون کی آنکھین خیرہ ہو کر رہ گیئن،

محمد علی مرحوم نے اپنی قوم کے تن بے جان مین پہلے اپنی تحریرون کے ذریعہ سے روح پھونکنے

کی کوشش کی، اور انگریزی اور اردو مین ہزارون صفحات لکھکر اپنے قلب و جگر کے ٹکڑے بکھیرے، لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ باوجود ہزارون صفحے لکھنے کے وہ اپنے زندگی مین نہ مصنف ہوئے اور نہ مؤلف، مختلف اوقات مین اونھون نے مختلف کتابون کے لکھنے کا ارادہ کیا لیکن ان کی متلاطم زندگی کے مدوجزر نے کبھی ان کے ارادون کو پایۂ تکمیل تک پہونچنے نہین دیا، ان کو فرصت ملی تو جیل کی کالی کوٹھریون مین یہان وہ کتابین لکھکر اپنے حوصلون کی تکمیل کرنا چاہتے تھے، مگر ان کا قلم ان کے خیالات کے طوفان کا ساتھ نہ دیسکتا تھا، اس لئے قبل اس کے کہ اپنے دل کی حسرتین نکالین اسیری کی مدت ختم ہوجاتی تھی، اور پھر ان کے پاؤن مین چکر پڑجاتا تھا،

مذکورۂ بالا کتاب محمد علی مرحوم کے خیالات کے طوفان کا ایک ہلکا سا عکس ہی جو انھون نے کراچی جیل مین قلمبند کرنے کی کوشش کی تھی، اس قید فرنگ مین وہ مولانا شبلی مرحوم کی سیرۃ النبی کے طرز پر انگریزی مین رسول اللہ صلعم کی ایک سیرت لکھنی چاہتے تھے، مگر ایک سال کی مدت صرف اسکے ابتدائی مراحل طے کرنے مین گذر گئی، اور انھون نے یہ خیال ترک کر دیا، اور "اسلام خدا کی سلطنت" کے نام سے ایک کتاب شروع کی، جس مین انھون نے اسلام کی سچائی اور حقانیت کو اپنے نقطۂ نظر سے واضح اور روشن کرنے کی کوشش کی، لیکن ابھی وہ کتاب کی تمہید ہی ختم کرنے پائے تھے، کہ جیل سے رہا کر دیئے گئے، اس کے بعد تقریباً سات سال تک اور زندہ رہے، لیکن اس اثنا مین ان کو اتنی فرصت بھی نہین ملی، کہ اس تمہید ہی پر نظر ثانی کر لیتے، ان کی وفات کے بعد اس کا مسودہ ارباب جامعہ ملیہ کو دیدیا گیا، اصلی مسودہ اس قدر ناصاف اور کٹا پٹا تھا، کہ بعض جگہ اس کا پڑھنا بھی سخت مشکل تھا، اسی لئے اب تک طبع نہ ہو سکا، پنجاب کے ایک نوجوان اہل علم جناب افضل اقبال صاحب ایم اے نے جن کو مولانا محمد علی مرحوم کی ذات اور ان کی تحریرون کیساتھ عشق ہے اسکو بڑی محنت سے اڈٹ کرکے کتاب کی تالیف کے ۱۹ سال کے بعد شائع کیا ہے، جس کے لئے وہ بیحد شکریہ کے مستحق ہین،

زیر نظر کتاب مولانا محمد علی کی مجوزہ تصنیف، اسلام خدا کی سلطنت کی تمہید ہے، اس تمہید مین وہ مرحوم یہ دکھانا چاہتے تھے، کہ ان کو کلام پاک کے مطالعہ اور اسکے سمجھنے کا کب کب موقع ملا، اور اس کو سمجھنے کے بعد ان پر اسلام کی حقانیت کس طرح آشکارا ہوئی، اس کو بیان کرنے کے لئے انھون نے اپنی زندگی کے حالات قلمبند کئے ہین، مگر ان کی زندگی کی حکایتین خود ان کو بھی کچھ ایسی لذیذ معلوم ہوئین کہ خود بخود دراز تر ہوتی چلی گیئن، محمد علی مرحوم کی زندگی مین ان کی تحریرون پر طول نگاری کا اعتراض کیا جاتا تھا، جس کا وہ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ وہ طویل اس لئے لکھتے ہین کہ ان کو فرصت کم رہتی ہے، اور غور و فکر سے لکھنے کا موقع نہین ملتا، لیکن ان کی وفات کے بعد جب ان کی کوئی تحریر کہین ملجاتی ہے تو پڑھتے وقت جی چاہتا ہے کہ کاش تحریر کا سلسلہ ختم نہ ہونے پائے، بعض اوقات وہ اپنی تحریرون مین موضوع سے خارج باتون کا ایک طویل سلسلہ چھیڑ دیتے ہین، جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ قابلِ قدر قیمتی معلومات کا خزانہ بنتا جاتا ہے،

کتاب کا اصل موضوع جہان سے شروع ہوتا ہے، وہین پہنچکر یہ کتاب ختم ہو جاتی ہے، لیکن یہ تمہید بجائے خود ایک دلچسپ کتاب ہو گئی ہے، اس مین محمد علی مرحوم کی آپ بیتی ہے، مرحوم کی کہانی خود ان کی زبانی سننے مین اور بھی موثر اور پُر کیف ہو جاتی ہے، بظاہر انھون نے اپنی زندگی کے حالات قلمبند کئے ہین، لیکن اس سلسلہ مین انھون نے اپنے زمانہ کی معاشرت، تعلیم، سیاست اور مذہب کے بہت سے اہم مسائل اور نکات پر روشنی ڈالی ہے، جس سے ان کی یہ سوانحمری اس عہد کے معاشرتی، تعلیمی، سیاسی اور مذہبی حالات کی آئینہ دار بن گئی ہے، اور اس کے مطالعہ مین ایسی لذت ملتی ہے، کہ اس کے سامنے ساری ذہنی لذتین ہیچ معلوم ہوتی ہین،

پہلے باب کی سرخی "گھر اور اسکول کی تعلیم" ہے، اس باب کے ۳۱ صفحے ہین، اس مین مولانا مرحوم نے اپنی ابتدائی تعلیم سے آکسفورڈ کے زمانہ قیام تک کے حالات درج کئے ہین، ان کو ائف مین محمد علی کے گھر کی فضا خاندان مین انگریزی تعلیم سے عصبیت کے باوجود ان کی بیوہ مان کے بلند تعلیمی حوصلون اور برادرانہ شفقت کے ساتھ مولانا شوکت علی کی تحکمانہ نگرانی کا ذکر ہے، مگر محمد علی کی طبیعت کی بے چینی اور بے قراری ان کے قلم مین بھی منتقل ہو جاتی ہے، وہ اپنی ابتدائی تعلیم کے حالات قلمبند کرنا چاہتے ہین، لیکن اس سلسلہ مین ان کا قلم بچون کی ابتدائی خصوصًا مذہبی تعلیم کے نقائص اور معائب پر چل پڑتا ہے، وہ اپنی والدہ کی شفقت و محبت کی لذت کو یاد کرنا چاہتے ہین، اس مین ان کا قلم ہندوستان کی عورتون کی تعلیمی محرومی اور معاشرتی بیچارگی پر رواں ہو جاتا ہے، وہ علی گڈہ مین اپنی تعلیم کا ذکر کرنا چاہتے ہین لیکن ان کا دل اس عظیم الشان اسلامی درس گاہ مین مذہبی تعلیم کی کمی، اور اسکی جانب سے بے توجہی پر خونچکان ہو جاتا ہے، چنانچہ ان ۳۱ صفحون مین محمد علی مرحوم کے نہ صرف گھر، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے تعلیمی حالات ہین، بلکہ اس عہد کی تعلیم اور معاشرت پر ایک بہت ہی ناقدانہ تبصرہ ہے،

دوسرے باب کا عنوان "بیداری" ہے، اس مین مرحوم نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ریاستون کی ملازمت کے بعد ان مین کس طرح ملکی اور قومی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا، کامریڈ کے اجراء کے ساتھ انکے جذبات کا نشو و نما دلچسپ داستان ہے، بلقان کی جنگ اور ترکون کے خلاف برطانیہ کی پالیسی نے انکے پرجوش قلب و دماغ کو کوہ آتش فشان بنا دیا تھا، جس کے شرارون سے وہ تمام مخالف فضا کو خاکستر کر دینا چاہتے تھے، ان ہی جذبات کے ماتحت انھون نے اسلام کا گہرا مطالعہ شروع کیا، اور اسکے نور سے ان کا قلب جتنا زیادہ منور ہوتا گیا، اتنا ہی وہ اسلام کے فدائی اور شیدائی ہوتے گئے، اور ان تمام چیزون کے لئے جن کا تعلق اسلام سے تھا، مرمٹنا اپنی زندگی کا نصب العین بنایا،

تیسرے باب کا عنوان "میری مشکلات اور ان کا علاج" ہے، محمد علی مرحوم کی قومی زندگی کا آغاز صحافت نگاری سے ہوتا ہے، لیکن ان کی بالآخر صحافت نگاری نے ان کو بلاؤن مین گرفتار کر دیا، جنگِ بلقان مین ترکون پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، محمد علی مرحوم اپنی تحریرون کے ذریعہ

مسلمانوں کی سیاست مین ایک طوفان بپا کرنے چاہتے تھے، لیکن پریس ایکٹ کی پابندیان ان کے حوصلون کو کچلنا چاہتی تھین، حکومت کی بندشون اور ان کے جذبات کی آزادی مین تصادم ہوا، اور وہ پہلے مراد کی پھر لینڈ سون اور پھر چھندواڑہ مین نظر بند کر دیئے گئے، یہ تمام واقعات کل اٹھائیس صفحون مین ختم ہو گئے ہین، محمد علی مرحوم جیل کی کوٹھری مین بیٹھکر جیلر کی نگرانی مین یہ حالات قلمبند کر رہے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ دل کھول کر اپنے جذبات کو کاغذ پر منتقل نہین کر سکتے تھے، لیکن جملون اور سطرون کے درمیان وہ تمام چنگاریان موجود ہین، جن سے ان کی آتشین طبیعت کی تشکیل ہوئی تھی،

چوتھے باب کی سرخی "انکشاف" ہے، مولانا محمد علی چھندواڑہ مین ساڑھے تین سال نظر بند رہے، یہان کی "فرصت" اور "اطمینان کلی" مین وہ حقانیت کے ایسے "سرچشمے" مین غرق ہو گئے جو تیرہ سو سال کے گرد و غبار سے نہ اٹ سکا ہے، اور نہ خشک ہو سکا ہے (ص ۵۳) یہ پورا باب کلام پاک کے محاسن پر ہے، کہین ذاتی تاثرات بیان کئے گئے ہین، کہین یورپین اہل قلم کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیئے گئے ہین، کہین کلام پاک کے رموز و نکات آشکارا کئے گئے ہین، کہین عیسائی مذہب کے مقابلہ مین اسلام کی خوبیان دکھائی گئی ہین، تحریر کا انداز بہت ہی والہانہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جام الست کا سرشار بے خودی مین لکھ رہا ہے، کلام اللہ کے مطالعہ سے جو اثرات محمد علی کے قلب پر مترتب ہوئے، اس کے لطف و اثر کا اندازہ تو اصل انگریزی ہی سے ہو سکتا ہے، ہم صرف اس کا مطلب پیش کرنے کی کوشش کرتے ہین:

"مین نے خدا کو پالیا، اوس نے بنی نوع انسان کو جو پیام دیا تھا، اسکو پالینے کے بعد مین نے اپنے کو پالیا، میری زندگی مین نئے معنی پیدا ہو گئے، زندگی کا اصلی راز مجھکو معلوم ہو گیا جس کا احساس اب تک نہ ہوا تھا، اس کے بعد میری گذشتہ زندگی جو میرے نزدیک مشرق کے ایک نیند متوالے چھوٹے بر اعظم (یعنی ہندوستان مین) بہت ہی مشغول گذری تھی، بالکل خالی اور بے کیف معلوم ہوئی۔"

پانچوان باب "یورپ کا دنیا دارانہ رنگ" کے عنوان سے شروع ہوتا ہے، اس مین رنین اور ایچ جی، ویلز کی بعض تصانیف پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ عیسائیت مذہبیت اور روحانیت سے دور ہو کر کس طرح دنیا وی آلائیشون سے آلودہ ہو گئی ہے، حالانکہ شروع مین عیسائی مذہب کی تعلیم وہی تھی جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر نو پیش کی لیکن عیسائی مذہب یونانی خیالات سے ملوث ہو کر اپنے اصلی سرچشمہ سے دور ہو گیا، اسلام پر بھی یہ دور آیا، لیکن سوائے فلسفیون کی ایک خاص جماعت پیدا ہو جانے کے خدا کے آخری نبی کا پیغام اس کے اثرات و تمام خطرات سے محفوظ رہا،

چوتھا اور پانچوان باب خالص علمی ہے، لیکن چھٹے باب مین جس کی سرخی "نئی سرگرمی" ہے، پھر کچھ ذاتی حالات آگئے ہین، مگر اس مین زیادہ تر اسلام کے محاسن کی جلوہ آرائیان ہین، اس باب کے شروع مین ڈاکٹر اقبال کی شاعری کا بھی ذکر ہے، محمد علی مرحوم نے اقبال کی شاعری کی دل کھول کر داد دی ہے، اسکی تعریف مین رطب اللسان ہین، اور یہان تک اس کا اعتراف کرتے ہین کہ اسلام کے سمجھنے مین ان کو اقبال کی شاعری سے بھی مدد ملی، محمد علی پر اسلام کے حقائق کا انکشاف جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا، اتنا ہی وہ یورپ کی ذہنی کجروی اور مذہبی گمراہی سے بیزار ہوتے جاتے تھے، ایچ جی ویلز کی بعض تصانیف کو پڑھکر ان کا بے اختیار جی چاہا، کہ وہ یورپ جاکر اہل یورپ کو اسلام کا صحیح پیام پہنچائین، کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یورپ کی نجات اسلام ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے، اس سلسلہ مین یورپ کی قومیت کے تخیل پر ایک عالمانہ تنقید بھی ہے، محمد علی مرحوم ڈاکٹر اقبال کی طرح قومیت کے گورکھ دھندون کے قائل نہ تھے، وہ اس کو بنی نوع انسان کی یگانگت اور یکجہتی کے لئے سنگ راہ سمجھتے تھے،

اس باب مین چھندواڑہ کی نظر بندی کے زمانہ کی زندگی، وہان سے رہائی، یورپ کو وفد خلافت کی روانگی، وہاں اس کی کارگذاری، وہان سے واپسی، اور پھر ہندوستان کی سیاست مین مجاہدانہ

سرفروشی، والٹیر کی گرفتاری، مقدمۂ کراچی اور آخر میں زمانۂ اسیری کے بہت ہی دلچسپ کوائف ہیں کہیں تو یہ داستان اتنی پُرلطف ہو جاتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اس کا لطف ختم نہ ہونے پائے، اور کہیں یہ اتنی دردناک ہو جاتی ہے، کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، اس پورے باب میں محمد علی مرحوم خدا کے ایک عاجز بندہ، ایک عاشقِ رسول، ایک مجاہدِ اسلام، ایک جانبازِ ملت، اور ایک شیدائی قوم کے مختلف جلووں میں نظر آتے ہیں، اور پڑھنے والا نہ صرف ان کی تحریر، بلکہ ان کی شخصیت سے خواہ مخواہ مسحور ہو جاتا ہے،

ساتواں باب "اسلام کہاں سے شروع ہوتا ہے، اور کس طرف جاتا ہے" کے عنوان سے شروع ہوتا ہے، یہ باب جو نسبتہً زیادہ طویل اور پچپن صفحوں پر مشتمل ہے، اس میں اسلام کے مختلف عقائد کے تاریخی ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور جابجا مختلف قسم کی مفید بحثیں کی گئی ہیں، ان مباحث کی گتھیوں میں مرحوم نے اسلام کی اصلی اسپرٹ، اسکی لازوال قوتِ حیات اور قوتِ تجدید کو دکھانے کی کوشش کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے، کہ ذہن میں ایک جلا ہو گئی ہے،

اس باب کے بعد ایک ضمیمہ ہے، حالانکہ اصل کتاب کا آغاز یہیں سے ہونے کو تھا لیکن آغاز خاتمہ بنکر رہ گیا ہے، اس لئے لائق مرتب نے ناظرین کی سہولت کے خیال سے اس کو بطور ضمیمہ منسلک کر دیا ہے، اس ضمیمہ کا عنوان "غلط فہمی اور اس کے اسباب" ہے، اس میں محمد علی مرحوم کے مخاطب یورپ کے باشندے اور عیسائی مذہب کے پیرو ہیں، انھوں نے ان کو انہی کے انداز میں اسلام کے محاسن کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ناتمام رہ گئی، اگر کتاب مکمل ہو جاتی تو اسلام کا پیام اہلِ مغرب تک ایک بہترین طرز، بہترین انشاء اور بہترین اسلوب بیان کے ذریعہ سے پہونچ جاتا، لیکن آہ! کہ اس "جام کوثر" کا سرشار اپنی تمام سرشاریوں کے ساتھ قبل از وقت حوضِ کوثر پر پہنچ گیا،

کتاب کی قیمت عہ ہے، لیکن کاغذ اور طباعت کی موجودہ گرانی کے لحاظ سے یہ قیمت کچھ زیادہ نہیں، ترقی یافتہ قوموں میں ان کے رہنماؤں کی جو محبوبیت ہوتی ہے، اس کا ثبوت یہ بھی دیا

جاتا ہے کہ ان کی تصانیف مطبع سے نکلتے ہی گھر گھر اور گوشے گوشے میں پہونچ جاتی ہیں، مسلمانوں کا محمد علی مرحوم سے زیادہ محبوب اور ہر دلعزیز رہنما کون تھا، ایسی حالت میں کیا یہ ہندوستان کے مسلمانوں سے توقع نہیں کی جاسکتی ہے، کہ وہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لے کر صحیح معنوں میں محمد علی مرحوم کی ذات سے اپنی شیفتگی کا ثبوت دیں گے،

"ص ع"

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشاء اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر انشا اور اسکی تاریخ کے مآخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوطات و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے

قیمت:- للعہ، ۳۹۷ صفحے،

رقعات عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے،

قیمت:- سے ر، ۴۸۷ صفحے،

"مینیجر"

مطبوعات جدیدہ

سیرت سید احمد شہید مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۵۵ صفحے کاغذ

کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ معین الدہر صاحب نمبر ۳ گوئن روڈ لکھنؤ۔

ہندوستان مین جن قومون کے ذریعہ اسلام پہنچا وہ خود اسکی صحیح نمایندہ نہ تھین، اسلئے وہ اپنی اصلی شکل مین نہین پہونچا، اور اس مین لانے والون کے بہت سے عقائد و رسوم شامل ہوگئے تھے، پھر ہندوستان کے عقائد و خیالات نے ان مین مل کر اسکی شکل اور بدل دی، لیکن جب تک یہان اسلامی حکومت قائم رہی، کم از کم سیاسی حیثیت سے اسلام سربلند رہا، پھر حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ مسلمانون کی سیاسی قوت بھی زوال پذیر ہوتی گئی، اور آخر مین یہ نوبت پہنچ گئی تھی، کہ حکومت برائے نام رہ گئی تھی، اس پر دوسری قومون کا غلبہ و اقتدار تھا، ملک بھر مین طوائف الملوکی بپا تھی، مذہب اوہام و خرافات اور مشرکانہ رسوم کا مجموعہ بن گیا تھا، اس نازک دور مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ان کے خاندان نے دین و سیاست دونون مین تجدید و اصلاح کی کوشش کی، لیکن یہ کوشش علمی تھی، اس لئے اس کا اثر عقائد و خیالات کی اصلاح تک محدود رہا، سیاسی تجدید و اصلاح کیلئے مسلمانون مین خون زندگی دوڑانے کی ضرورت تھی، اس کام کے لئے خدا نے حضرت مولانا سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید کو پیدا کیا جنھون نے ایک طرف دین کی اصلاح و تجدید کا صور پھونکا، دوسری طرف مسلمانون مین جہاد کی روح بیدار کرکے ہندوستان مین خالص اسلامی حکومت کے قیام کی مجاہدانہ کوشش کی، یہ مسلمانون کے جہاد آزادی کی سب سے بڑی انقلابی کوشش تھی، جو اگر کامیاب ہوگئی

ہوتی، تو آج ہندوستان کی تاریخ دوسری ہوتی لیکن مسلمانون کی بدقسمتی ان کے نفاق اور دوسری قومون کی دراندازی سے اس کا خاتمہ ناکامی پر ہوا، اس جہاد حریت مین سارے ہندوستان کے مسلمان شریک تھے، اور آسام سے لیکر پشاور تک اس کا نہایت مرتب اور مکمل نظام قائم تھا، اگرچہ یہ کوشش ناکام رہی، لیکن بے نتیجہ نہین رہی، اس کے اثر سے مسلمانون مین ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی، جو اسلام کی صحیح حامل، اور جوش جہاد سے معمور تھی، اوس نے اپنا کام برابر جاری رکھا، اور اس کے ذریعہ دین و سیاست کی بڑی گران قدر خدمات انجام پذیر ہوئین، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اسی جماعت کی یادگار تھے، آج بھی خدا کے فضل سے اسکے باقیات صالحات موجود ہین، سید صاحبؒ کے حالات مین یون تو پرانے طرز کی بعض کتابین موجود ہین لیکن ضرورت ایسی کتاب کی تھی جس مین موجودہ ذوق کے مطابق سید صاحب کے کارنامون کو پیش کیا جائے، اس ضرورت کو اسی دودمان سیادت کے ایک صالح نوجوان مولانا سید ابوالحسن ندوی استاد ندوۃ العلماء نے پورا کیا، اور سید صاحب کے حالات مین یہ جامع کتاب لکھی، اس مین سید صاحب کے خاندانی حالات، سیرت و سوانح اور ان کے دینی اصلاحی اور سیاسی مجاہدات اور کارنامون کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، کتاب کے شروع مین پس منظر کے طور پر اس عہد کی دنیائے اسلام خصوصاً ہندوستان کے مسلمانون کی دینی و سیاسی حالت کا مختصر خاکہ دیدیا گیا ہے، اور مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے "مسافر اسلام ہندوستان کے غم کدہ مین" کے عنوان سے ہندوستان مین اسلام کے انحطاط و تجدید کی بڑی موثر سرگذشت ہے آخر مین سید صاحب کے خلفاء اور متوسلین کے حالات اور انکے کارنامون کا ذکر ہے اس کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۹۳۹ء مین شائع ہوا تھا اب بڑی ترمیم و اضافہ کے بعد یہ دوسرا اڈیشن نکلا ہے، جو پہلے سے زیادہ مکمل ہے یہ کتاب درحقیقت ہندوستان کے مسلمانون کی دینی تجدید و اصلاح اور اس دور کے جہاد آزادی کی تاریخ ہے جب ہندوستان مین انگریزون کا قدم بھی پورے طور سے نہ جما تھا، اور آزادی کا تصور کسی دوسری قوم کے خواب و خیال مین بھی نہ آیا تھا،

حکومتِ الٰہی از مولینا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ مکتبہ سیفیہ مونگیر وکتب خانہ فخریہ مرادآباد،

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم نائب امیر شریعت بہار ان صاحبِ فکر و نظر علما رمین تھے جنھون نے حکومتِ الٰہیہ یعنی اسلامی نظامِ حکومت کے تمام گوشون پر برسون غور و فکر کیا تھا، اور ان کے دماغ مین اس کا پورا خاکہ موجود تھا، اسکو وہ قلمبند بھی کرنا چاہتے تھے لیکن سیاسی مصروفیتون نے اس کا موقع نہ دیا، اور ابھی اسکی تمہید لکھنے پائے تھے، کہ پیامِ اجل آگیا، مولٰنا منت اللہ صاحب رحمانی نے اسی کو تبرکاً شائع کر دیا ہے، مولانا مرحوم کا نقطۂ نظریہ تھا، کہ ایک ایسے عالمگیر عادلانہ قانون و نظام سازی کے لئے جو ساری دنیا مین نظم وسکون قائم کر سکے، اور انسان کے فلاح وسعادت کا ضامن ہو، جن کمالات اور جس بصیرت کی ضرورت ہے اس سے انسان محروم ہے اس لئے اس کے بنائے ہوئے سارے قوانین اور نظام بھی ناقص ہین، چنانچہ آج تک دنیا کی کوئی قوم اور کوئی سلطنت ایسا عالمگیر عادلانہ قانون نہ بنا سکی، اور وہ صرف خدا کی ہدایت اور انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی ہی مین بن سکتا ہے، چنانچہ اس کتاب مین اسی نقطۂ نظر سے قوانین اور دستورون کے مقاصد و مصالح، انسانون کے بنائے ہوئے قوانین اور دستورون کے نقائص اور خرابیون کو دکھا کر خدا کی کتاب اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی مین قانون اور دستور سازی پر اصولی بحث کی ہے، افسوس ہے کہ یہ رسالہ اصل کتاب کی صرف تمہید ہے، تاہم اس سے اسلامی نظامِ حکومت کے بارہ مین مولانا کے نقطۂ نظر اور ان کی قانونی فکر و نظر کا کسی حد تک اندازہ ہو جاتا ہے،

شانِ خدا مولفہ جناب مولانا عبید الرحمٰن صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۰ا صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ کتابستان پوسٹ بکس نمبر ۳۱۶۴ نمبر ۳ بمبئی،

لائق مولف نے یہ کتاب وجودِ باری اور توحیدِ باری کے اثبات مین لکھی ہے، اس میں یہ

دکھایا ہو کہ وجودِ باری کا اعتقاد انسان مین فطری ہو اور اس بارہ مین یونان کے قدیم حکما، اور یورپ کے جدید فلاسفہ کے اقوال اور ان کے دلائل نقل کئے ہین، اور ملحدون اور مادہ پرستون کے شبہات نقل کرکے اُن کی تردید کی ہو، اور وجودِ باری پر کلام اللہ کے دلائل بیان کرکے دکھایا ہو کہ وہ تمام دلائل جو فلاسفہ نے وجودِ باری اور توحیدِ باری کے دیئے ہین وہ سب کلام اللہ مین موجود ہین، صرف فرق یہ ہو کہ اوس نے منطقی طریقہ اختیار نہین کیا ہو، پھر توحیدِ باری پر کلام اللہ کے دلائل نقل کرکے دلائل کی مختلف قسمون پر تبصرہ کیا ہو، اور اسلام اور دوسرے مذاہب کے تصورِ توحید کا موازنہ کرکے دکھایا ہو کہ کوئی مذہب شرک سے خالی نہین ہو، اور خالص توحید صرف اسلام نے پیش کی ہو، آخر مین صفاتِ الٰہی کا ذکر اور ان پر تبصرہ ہو، کتاب مفید ہو، بعض بحثین مخصاً سیرۃ النبی سے ماخوذ ہین، کہین کہین الفاظ تک، تمام حوالہ بھی نہین دیا گیا ہو،

علم الاقوام حصہ اول و دوم تقطیع بڑی ضخامت ۲۶۵ و ۱۶۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ و عہ، پتہ انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی،

نئے علوم مین علم الاقوام نہایت مفید اور دلچسپ علم ہو، اس مین تاریخ تمدن کے نقطۂ نظر سے ان قدیم اور موجودہ انسانون اور اقوام و قبائل کی جو تہذیب کے دورِ طفولیت مین ہین، اور جن کی کوئی تاریخ موجود نہین ہو، ذہنی تاریخ یعنی ان کی تنظیمِ خاندان و قبائل کی تقسیم، رسم و رواج معاشرتی خصوصیات مذہب، صنعت و حرفت وغیرہ جملہ تہذیبی پہلوؤن پر بحث کیجاتی ہو، اردو مین اس موضوع پر کوئی قابلِ ذکر کتاب نہ تھی، ڈاکٹر بیرن عمر رالف ایہرن فلس نے جو علم الاقوام کے بڑے عالم ہین اس موضوع پر انگریزی میں دو جلدون مین یہ کتاب لکھی تھی، ڈاکٹر عابد حسین خانصاحب نے اردو مین اس مفید کتاب کا ترجمہ کیا ہو، اس کے پہلے حصہ مین علم الاقوام کے موضوع و مقصد، اسکی تاریخ، اسکے طریق تحقیق پر بحث، اور دنیا کے اولین تہذیبی خطون اور تنظیمی حیثیت سے مختلف تہذیبون کا ذکر ہو، دوسرے حصہ مین مختلف ملکون افریقہ شمالی وجنوبی امریکہ جزائر بحر الکاہل، آسٹریلیا، ہندوستان اور دوسرے مشرقی ملکون کی اقوام کی ذہنی تاریخ اور ان کے تمدنی و معاشرتی حالات ہین، کتاب مفید اور پر از معلومات ہے، ترجمہ کی خوبی کیلئے جناب مترجم کا نام کافی ہو،

فردوس تخیل ز، خ، ش مرحومہ تقطیع بڑی ضخامت ۳۸۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر

قیمت مجلد ۴ر، پتہ دارالاشاعت پنجاب لاہور،

آج سے پندرہ بیس سال پہلے کی ادبی دنیا مین ز خ ش یعنی زاہدہ خاتون شروانیہ مرحومہ بنت نواب مزمل اللہ خان مرحوم کو بڑی شہرت حاصل تھی، آج بھی یہ نام نامانوس نہین ہی، مرحومہ تعلیم یافتہ مسلمان خاتون کا قابلِ فخر نمونہ تھین، ان کی ذات اعلیٰ تعلیم کے ساتھ تمام لوازم شرافت سے آراستہ تھی، ان کا شعری وادبی ذوق اچھے سے اچھے مرد ادیبون اور شاعرون سے کم نہ تھا، ایک زمانہ مین دنیاے شاعری ان کے ترانون سے گونج رہی تھی، مرحومہ نے اپنی زندگی ہی مین اپنے کلام کا ایک حصہ جو منظومات پر مشتمل ہے، مرتب کر لیا تھا، جسکی اشاعت کی نوبت ان کی وفات کے بیس سال بعد اب آئی ہے، اس مجموعہ مین تاریخی، مذہبی، قومی، سیاسی، اصلاحی مختلف موضوعون پر ۱۱۲ نظمین ہین، یہ نظمین جذبات وخیالات اور زبان وادب دونون حیثیتون سے اردو کے کسی بلند پایہ کلام سے کم نہین، ان سے مرحومہ کے ادبی ذوق کے ساتھ ان کی علمی استعداد، وسعتِ معلومات، حالاتِ زمانہ سے واقفیت، اور مذہبی وقومی جذبات کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے، افسوس یہ ہے کہ مرحومہ کا انتقال عین عالم شباب یعنی کل ۲۸ سال کی عمر مین ہوگیا، ورنہ عمر اور مشق وممارست کی پختگی کے ساتھ ساتھ ان کا کلام بہت اونچا جاتا، آج کل تعلیم یافتہ مسلمان خواتین کی کمی نہین، بلکہ ان کی ترقی چشم بد دور روز افزون ہے، ان مین شاعرہ بھی ہین، اور ادیبہ بھی، اور ایسی رنگین نوا کہ ان کی رنگینی پر داغ کی شوخی بھی شرما جاے، لیکن کاش ان مین سے ایک مثال بھی ایسی نکل سکتی، جو علمی کمالات اور نسوانی اوصاف مین نہ سہی، کم از کم ادبی ذوق ہی مین ز، خ، ش کا ناتمام نمونہ پیش کر سکتی،

"م"

"جلد ۵۰" ماہ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۲ء "عدد ۲"

مضامین